57 Hadeed　　Madany Aayaath 29　　(۵۷)

سُورَۃُ الحَدِید



یہ سُورۃ شریفہ مدینہ منورہ عہ میں نازل ہوئی۔ اس کی انتیس آیتیں ہیں

ماقبل سے مناسبت سورۂ واقعہ اور سورۂ حدید میں وجہ مناسبت صاف ظاہر ہے کہ سورۂ واقعہ کا اختتام فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ پر ہوا تھا۔ جس میں تسبیح کرتے رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اور سورۂ حدید کی ابتدا سَبَّحَ لِلّٰهِ سے ہو رہی ہے جس میں تمام کائنات سماوی و ارضی کے تسبیح الٰہی میں مشغول و موظف ہونے کی خبر دی جا رہی ہے۔ گویا سوال پیدا ہو رہا تھا کہ اللہ سبحانہ کے با عظمت نام کی تسبیح کیوں پڑھی جائے؟ تو اس کا جواب ارشاد ہو رہا ہے:۔ اس لئے کہ جملہ کائنات سماوی و ارضی تسبیح الٰہی کرتی ہے لہٰذا آپ بھی اے نبی کریم! یا یہ کہ اے مخاطب!

عہ سورۂ حدید کا مدنیہ ہونا اکثر آیات کے اعتبار سے ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے بھی اس کو مدنیہ فرمایا ہے مگر حضرت عمر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایات کے لحاظ سے ابتدائی آیات کا مکیہ ہونا ثابت ہے اسلئے یہی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اکثریت کی بنا پر اس کو مدنیہ کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

تسبیح سے کام رکھو کہ یہی وجہ آفرینش ہے۔ واللہ اعلم۔

سورۂ حدید کی فضیلت حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:— ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ المسبحات قبل ان یرقد و قال ان فیھن آیۃ افضل من الف آیۃ۔ (امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن مردویہ، بیہقی) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (رات کو) آرام فرمانے سے پہلے (روزانہ) مسبحات (شریفہ) کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان میں ایک آیت ایک ہزار آیات سے افضل ہے۔" مسبحات سے وہ سورتیں مراد ہیں جن کا آغاز تسبیح سے ہوا ہے۔ جیسے "سبحان الذی اسریٰ" "سبح للہ" "یسبح للہ" "سبح اسم ربک الاعلیٰ" یہ کل (۷) سورتیں ہیں۔

ایک آیت ہزار سے افضل یحییٰ بن ابی کثیرؒ فرماتے ہیں:— نراھا الآیۃ التی فی آخر الحشر۔ (ابن الضریس) ہماری رائے میں اس آیۂ کریمہ سے مراد جو ایک ہزار آیات سے افضل ہے۔ سورۂ حشر کی آخری آیت ہے" یعنی ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ ھو الرحمٰن الرحیم سے ختم سورہ تک — **فقیر** عرض کرتا ہے اگرچہ اصطلاح

فقہاء و قراء کی رو سے یہ تین آیتیں ہوتی ہیں مگر معنی اور مضمون چوں کہ ان تینوں آیات کا ایک دوسرے سے مربوط ہے اور یہ سلسلہ اختتام سورۃ تک چلتا ہے۔ اس لئے ایک ہی آیت فرمایا گیا۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ 57-1

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا۔

یعنی کائنات سماوی اور ارضی کی ہر چیز کو اقرار ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ جملہ صفاتِ نقص سے پاک ہے۔ جس چیز کو جس کام کے لئے بنایا، اوس میں وہ تمام صلاحیتیں بخشیں جو اوس کے لئے ضروری تھیں۔ اس طرح ہر چیز بجائے خود معترف ہے کہ اوس کا بنانے والا باکمال ہے۔ گویا ہر چیز کا وجود ہی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ایک باکمال ہستی نے ان صفات اور صلاحیتوں کے ساتھ اوس کو فیضانِ وجود بخشا۔

تسبیح حال و قال تسبیح زبان حال سے ہو یا قال سے یا دونوں سے۔ زبان حال سے اس طرح کہ بعض مخلوقات مثلاً پہاڑ اور اشجار بحالت قیام ہیں۔ اور بعض مثلاً چار پائے بحالت رکوع ہیں اور بعض رینگنے والے مثلاً سانپ، مچھلی بحالت سجود ہیں۔ اور بعض مثلاً میز، کرسی بحالت قعود ہیں۔ درختوں کے جھنڈ جب ہوا سے جھومتے ہیں تو گویا سلام پھیرتے رہتے ہیں۔ یہ تمام صورتیں تسبیح حالی کی ایک مثال ہیں۔

تسبیح زبان قال سے نہ صرف انسان، جن، ملائکہ بلکہ تمام حیوانات، چرند، پرند، درند، گزند سبھی کرتے ہیں۔ پانی کی روانی، ہوا کے جھونکے، آگ کا جوش بلکہ ہر متحرک شئے جو جمادات سے ہو جب زور و قوت سے حرکت میں لائی جاتی ہے جیسے گاڑی۔ موٹر۔ ریل۔ جہاز مشین وغیرہ تو اوس سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ اس کو تسبیح قالی کی ایک مثال تصور کیجئے۔ ان تسبیحات کو سب ہی جانتے ہیں۔

تسبیح جامع محققین ارباب کشف فرماتے ہیں کہ کائنات کی ہر چیز زبان حال اور زبان قال دونوں سے اللہ سبحانہ کی تسبیح کرتی ہے۔ خواہ وہ جمادات سے ہو یا نباتات سے۔ حیوانات سے ہو یا انسان، جن ہو یا ملک، بلکہ ان کا ہر ہر عضو، اور رگ و ریشہ، اور ہر بُن مو، خداوند تعالیٰ شانہ کی تسبیح حالی و قالی میں

رات دن مشغول ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔
وَاِنْ من شیئٍ الاّ یسبّح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم۔ کوئی
چیز ایسی نہیں جو اوس کی تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم اون کی تسبیحات کو سمجھ نہیں سکتے۔"
ایسے کتنے واقعات ہیں کہ لوگوں نے جمادات، نباتات، حیوانات کو انسانوں
کی طرح بات کرتے ہوئے دیکھا۔ استن حنّانہ کا واقعہ ترمذی شریف میں موجود
ہے کہ ایک خشک ستون سے بچے کے رونے کی طرح آواز آرہی تھی اور نماز جمعہ میں
تمام حاضر الوقت صحابہ رضؓ کرام اوس کو سنتے رہے۔ ابوجہل کی کنکریوں کا واقعہ
مشہور ہے۔ مولانا رومؒ نے ان دونوں واقعات کو تفصیل سے قلمبند فرمایا ہے۔
علامہ ابن الجوزیؒ کی کتاب النطق المفھوم من اھل الصمت المعلوم اس
موضوع پر قابل دید ہے۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ 57-2
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ؕ اُسی کے لئے ہے راج آسمانوں کا اور زمین کا جِلاتا ہے اور مارتا ہے
اور وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔"

تمام کائنات اوس کی، تو تمام حکومت اوس کی، جملہ اقتدار اوس کا
جِلانا مارنا سب اوس کے اختیار میں ہے۔ پھر کوئی ہے جو پوچھ سکے کہ فلاں کو کیوں

پیدا کیا اور فلاں کو کیوں پیدا نہ کیا۔ فلاں کو کیوں زندہ چھوڑا اور فلاں کو کیوں مار ڈالا؟ کوئی اوس سے پوچھ نہیں سکتا۔ لا یسئل عما یفعل و ھم یسئلون۔ وہ جو کچھ اپنے ارادے سے کرتا ہے اوس سے پوچھا نہیں جا سکتا بلکہ خود ان سے پوچھا جائے گا کہ ایسا کیوں کیا اور ایسا کیوں نہ کیا؟ بس ثابت ہو چکا کہ سارا اقتدار اُسی کا ہے۔

ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ 57-3

وہی ہے سب سے پہلا اور سب سے پچھلا اور باہر اور اندر اور وہ سب کچھ جانتا ہے۔

اول و آخر کی تفسیر | اول اس طرح کہ جب کوئی نہ تھا وہ موجود تھا اور آخر اس طرح کہ جب کوئی نہ رہے گا وہ موجود رہے گا۔ ماضی پر غور کرو کہ کائنات اور اس کی کسی چیز کا وجود نہ تھا اللہ سبحانہ کی ذات موجود تھی اور تمام صفات کاملہ کے ساتھ موجود تھی۔ اسی طرح مستقبل پر غور کرو تو معلوم ہو گا کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ کوئی نہ رہے گا اور وہ موجود رہیگا سوال فرمائے گا لمن الملك اليوم۔ آج اقتدار کس کا ہے؟ جواب دینے والا تک کوئی نہ رہے گا۔ پھر خود ہی ارشاد فرمائے گا:—

لِلّٰہِ الواحِد القھّار ۔ سارا اقتدار اللہ کا ہے جو تمام قوت قاہرہ کا مالک ہے "

کائنات کی تسبیح نہ سننا بھی رحمت ہے حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں :۔

لولا ما یخفی علیکم من تسبیح من معکم فی البیوت ما تقاررتم ۔ گھر میں تمھارے ساتھ جو (جمادات وحیوانات وغیرہ) رہتے ہیں اگر انکی تسبیح تم سے پوشیدہ نہ ہوتی تو تم اپنے گھر میں بھی آرام سے قرار نہ لے سکتے "

کائنات کی آفرینش تسبیح کیلئے علمائے کبار فرماتے ہیں :۔ قد اخذ اللہ بابصار الانس والجن عن ادراک حیاۃ الجماد الّا من شاء اللہ والاشیاء کلّھا انّما خلقت له سبحانه لتسبّح بحمدہٖ وامّا انتفاعنا بھا انّما ھو بحکم التبعیة لا بالقصد الاوّل ۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے انس وجن کی نظروں سے جمادات کی زندگی کا ادراک روک دیا ہے اس لئے (انس وجن عموماً) اس کا ادراک نہیں کرسکتے ۔ الّا ما شاء اللہ ۔ اور جملہ اشیاء کی آفرینش کا مقصد اولیٰ اللہ سبحانہ کی تسبیح ہے ۔ اور ہمارا ساری کائنات سے منتفع ہونا ضمنی ہے "

عذاب قبر کو جن و انس کے سوا سب سن سکتے ہیں حدیث شریف میں آیا ہے :۔

ان کل شیئ من الجماد والحیوان یسمع عذاب القبر الا الثقلین۔
عذاب قبر کو جمادات (نباتات) حیوانات سب ہی سنتے ہیں، صرف جن وانس
اس سے مستثنٰی ہیں کہ وہ نہیں سن سکتے۔"

بہرحال کائنات ارضی وسماوی کی ہر چیز حی ہے۔ سنتی ہے، دیکھتی ہے تو
تسبیح بھی کرتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جن وانس سے اس کو پردے میں رکھا
گیا ہے۔ یہ بھی بڑا احسان ہے ورنہ بموجب قول حضرت حسن بصریؒ ہماری
زندگی دو بھر ہو جاتی۔ کائنات کا تسبیح الٰہی کے لئے پیدا کیا جانا بالکل ایسا ہی
ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا کہ جن وانس کو ہم نے صرف اپنی عبادت کیلئے
پیدا کیا دیگر مقاصد ضمنی ہیں۔

مدعیان ملک سے خطاب | مدعیان ملک واقتدار کے لئے اس میں ایک
سبق ہے جو اللہ کی پیدا کی ہوئی زمین اور اس میں بنائی ہوئی کائنات کے
کچھ کچھ حصے پر جو عارضی تسلط ان کو ملا ہے، گو وہ بھی اللہ سبحانہ کا ہی دیا ہوا ہے
بس اسی پر نازاں اور شاداں وفرحاں ہیں۔ درحالیکہ ماضی میں کچھ نہ تھا
اور نہ مستقبل کی کوئی ضمانت ہے۔ کتنے تخت وتاج بنے اور بگڑے۔ قائم ہوئے
اور حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ کوئی ہے جو کم از کم اون کے نام یا صرف اونکی

گنتی ہی بتا سکے؟ اے انسان اور او ضعیف انسان! اس فخر و غرور کو بھول جا اور اس خیال باطل کو دماغ سے نکال دے۔ اللہ سبحانہ نے اقتدار حوالے فرمایا ہے تو وہ کام کر جس میں اوس کی رضا و خوشنودی ہو۔ اللہ کے بندوں پر رحم کر اور عدل سے کام لے کہ اسی میں تیری نیک نامی ہے ورنہ وہ دن دور نہیں کہ یہ عارضی اقتدار بھی سلب کر لیا جائے گا اور تجھ کو مجرمین کی صف میں کھڑا کر کے ذرے ذرے کا حساب لیا جائے گا۔ اوس وقت تیرا کوئی حمایتی نہ ہوگا

تفسیر اول و آخر ظاہر و باطن | ابن عباسؓ فرماتے ہیں:— قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفس محمد بیدہ لو دلیتم احدکم بحبل الی الارض السابعۃ لقدم علی ربہ ثم تلا ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شیئ علیم۔ (ابن مردویہ) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:— اوس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے اگر تم میں سے کوئی زمین کے ساتویں طبقے تک بھی رسی چھوڑے تو وہ محمدؐ کے رب پر ہی منتہی ہوگی۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (جس کا ترجمہ یہ ہے) وہی اول اور آخر اور ظاہر و باطن ہے اور وہی ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔"

حدیث بالا کی تفسیر حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی اس مضمون کی ایک حدیث شریف مروی ہے جس کی امام احمدؒ عبد بن حمید ترمذیؒ ابن المنذر ابن مردویہ بیہقیؒ اور ابو الشیخ نے روایت کی ہے۔ امام ترمذیؒ اس کی روایت کے بعد فرماتے ہیں:۔ فسر بعض اهل العلم هذا الحديث فقالوا انما هبط على علم الله وقدرته وسلطانه۔ بعض اہل علم نے اس حدیث شریف کی تفسیر یوں فرمائی کہ وہ رسّی زمین کے ساتویں طبقے تک بھی پہنچ جائے جس کے بعد زمین کا کوئی طبقہ نہیں یعنی تحت الثریٰ تک تو وہ مقام بھی اللہ سبحانہ کے علم، قدرت، اور سلطنت میں ہوگا اس سے باہر نہ ہوگا۔"

هو الاول والآخر کی تفسیر ام المومنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں انه كان يدعو بهؤلاء الكلمات اللهم انت الاول فلا شيئ قبلك وانت الآخر فلا شيئ بعدك اعوذ بك من شر كل دابة ناصيتها بيدك واعوذ بك من الاثم والكسل ومن عذاب النار ومن عذاب القبر ومن فتنة الغنى ومن فتنة الفقر واعوذ بك من المأثم والمغرم۔ (بیہقی) حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا میں یہ کلمات فرمایا کرتے تھے:۔ الٰہی آپ ہی

سب سے اول ہیں آپ سے پہلے کوئی چیز نہیں اور آپ ہی سب سے آخر ہیں آپ کے بعد کوئی چیز نہیں، میں آپ ہی کی پناہ لیتا ہوں شر سے ہر چلنے والی چیز کے اوس کی پیشانی آپ ہی کے قبضے میں ہے۔ اور آپ ہی کی آڑ لیتا ہوں گناہ اور سُستی سے۔ اور دوزخ کے عذاب سے اور عذاب قبر سے اور تونگری کے فتنے سے اور محتاجی کے فتنے سے۔ اور آپ ہی کی پناہ ڈھونڈتا ہوں گناہ کے کام سے اور تاوان بھرنے سے۔"

والظاہر والباطن کی تفسیر حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:—

جاءت فاطمۃؓ الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تسأل خادما فقال لھا قولی اللھم رب السمٰوات السبع و رب العرش العظیم ربنا و رب کل شیئ منزل التوراۃ والانجیل والفرقان، فالق الحب والنوی اعوذ بک من شر کل ذی شر انت آخذ بناصیتہ انت الاول فلیس قبلک شیئ وانت الآخر فلیس بعدک شیئ، وانت الظاہر فلیس فوقک شیئ، وانت الباطن فلیس دونک شیئ اقض عنا الدین واغننا من الفقر۔ (ابن ابی شیبہ، ترمذی، بیہقی) جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا (علی ابیہا وعلیہا الصلوۃ والسلام) حضرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور ایک خادمہ کی درخواست کیں۔ تو آپ نے یہ دعا تلقین فرمائی:۔۔۔ الٰہی! ساتوں آسمانوں کے مالک، اور عرش عظیم کے مالک، اور ہمارے مالک! اور ہر چیز کے مالک! توریت، انجیل اور فرقان حمید کے اتارنے والے! دانے اور تخم کو چیر نکالنے والے میں ہر شریر کے شر سے آپ کی پناہ لیتا ہوں، آپ ہی اوس کی پیشانی پر قابو رکھتے ہیں۔ آپ ہی سب سے اول ہیں آپ سے پہلے کوئی چیز نہیں اور آپ ہی سب سے پچھلے ہیں آپ کے بعد کوئی چیز نہیں۔ آپ ہی سب سے باہر ہیں آپ سے اوپر کوئی چیز نہیں۔ اور آپ ہی سب سے اندر ہیں آپ کے سوا کوئی چیز نہیں۔ ہمارے مطالبات کی تکمیل فرما دیجئے اور محتاجی سے ہم کو بے نیاز کیجئے۔" ابن ابی شیبہ، امام احمد، مسلم، ابن مردویہ اور بیہقی حضرت ابوہریرہؓ سے یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزانہ استراحت فرمانے سے پیشتر مذکورہ بالا دعا فرمایا کرتے تھے۔

حضور اکرمؐ کی دعا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:۔۔۔

كان من دعاء رسول الله صلى الله عليه وسلم الذى كان يقول يا كائن قبل ان يكون شىٔ والمكوّن لكلّ شيئ والكائن بعد ما

لا یکون شیئ اسالك بلحظۃ من لحظاتك الحافظات الوافرات الراجیات المنجیات۔ (بیہقی) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو دعائیں فرمایا کرتے تھے اون میں ایک یہ بھی تھی: ۔۔ اے موجود قبل اس کے کہ کوئی چیز موجود ہوا ور موجود بنانے والے ہر چیز کو' اور موجود رہنے والے بعد اس کے کہ کوئی چیز موجود نہ رہے آپ کی ایک نظر التفات منجملہ تمام انظار التفات کے چاہتا ہوں جو حفاظت کرنے والی' کمال کو پہنچانے والی' آس دلانے والی' نجات دینے والی ہے۔"

دعائے بالا مہمات کیلئے ہے حضرت سیدنا محمد بن علی (امام محمد باقر) رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن آبائہ الکرام فرماتے ہیں کہ مذکورہ دعا حضور انور ارواحنا لہ الفداء نے سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو تلقین فرمائی تھی اور جب کبھی کوئی مہم درپیش ہوتی تو آپ یہ دعا پڑھتے اور اپنی اولاد امجاد کو سکھایا کرتے تھے۔ اس میں آخر پر اس قدر اضافہ تھا۔ اِفعل بی کذا وکذا۔ میرے ساتھ ایسا ایسا سلوک فرما" یعنی مذکورہ دعا پڑھ کر بطور خاص جس امر کی درخواست کرنی ہوتی اوس کو اس دعا میں شامل کر دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ اوپر کی روایات میں ہے: ۔۔ اقض عنا الدین واغننا من الفقر۔ وغیرہ۔

ایک مغالطہ اور اوس کا جواب بہر حال ھوالاوّل والآخر والظاھر والباطن کی تفسیر مذکورہ صدر احادیث صحیحہ میں بصراحت موجود ہے تو مزید کسی تفسیر کی حاجت نہیں رہی۔ البتہ بعض معاندین یہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہر چیز سے پہلے ہے تو اللہ سے پہلے کون تھا؟ اس کا جواب حدیث ذیل میں ہے :۔ ابن عمر اور ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔ لایزالون یسألون عن کلّ شیئ حتّی یقولوا ھذا اللہ کان قبل کلّ شیئ فماذا کان قبل اللہ ؟ فان قالوا الکم ذلک فقولوا ھو الاوّل قبل کلّ شیئ وھو الآخر فلیس بعدہ شیئ وھو الظاھر فوق کلّ شیئ وھو الباطن دون کلّ شیئ وھو بکلّ شیئ علیم۔ (ابو الشیخ) لوگ ہر چیز کی بابت پوچھتے رہیں گے تا آں کہ وہ کہیں گے کہ اچھا اللہ تو ہر چیز کے پہلے ہی (اس کو مان لیا مگر یہ تبائیے کہ) اللہ سے پہلے کیا تھا؟ اگر وہ ایسا سوال تم سے کر بیٹھیں تو تم یوں کہو کہ وہی سب سے پہلے ہے اور وہی سب سے آخر ہے اوس کے بعد کچھ نہیں۔ وہی باہر ہے اوس سے باہر کوئی چیز نہیں۔ اور وہی اندر ہے ہر چیز کے۔ اور وہی ہر چیز کو خوب جانتا ہے " مطلب یہ کہ اون کے

جواب میں یہ آیۂ کریمہ ھوالاوّل الی آخرھا پڑھ دیا کرو۔ یہی اون کا شافی جواب ہے۔

ایک شک اور اُس کا دفعیہ ابوزمیلؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عرض کیا:۔ ماشیئ اجدہ فی صدری قال ماھو قلت واللہ لا اتکلّم بہ فقال لی اشیئ من شکّ وضحک قال مانجا من ذٰلک احد حتّی انزل اللہ تعالیٰ فان کنت فی شکّ ممّا انزلنا الیک فاسئل الذین یقرأون الکتاب من قبلک وقال لی اذا وجدت فی نفسک شیئًا فقل ھوالاوّل والآخر والظاھر والباطن وھو بکلّ شیئ علیم۔ (ابوداؤد) یہ کیا بات ہے جس کو میں اپنے سینے میں پاتا ہوں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا وہ کیا چیز ہے؟ میں نے عرض کیا واللہ! میں تو اوس کو زبان پر نہ لاؤں گا۔ فرمایا کیا کوئی شک ہے؟ یہ کہہ کر تبسم فرمایا۔ پھر کہا کہ اس سے تو کوئی بھی بچ نہ سکا۔ حتی کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (جس کا ترجمہ یہ ہے) اگر تو (اے مخاطب!) شک میں پڑا ہوا ہے اُس چیز سے جو ہم نے تجھ پر اتاری تو تم سے پہلے سے جو لوگ ہماری کتاب پڑھ رہے ہیں اون سے

دریافت کرلو۔ (یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد آمد کی خبر توریت، انجیل، وغیرہ میں درج ہونے کی نسبت کوئی شک ہے تو یہود و نصاریٰ سے دریافت کرلو) پھر فرمایا جب تم اپنے نفس میں کوئی ایسی بات پاؤ تو آیۂ کریمہ "ھو الاول والآخر" اخیر تک پڑھ دو۔" (اس سے تشفی ہو جائے گی کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی سب سے اول و آخر اور ظاہر و باطن ہے اور جملہ شکوک رفع ہوں گے)۔

آیۂ ھو الاول کی تشریح

ھو الاول والآخر والظاھر والباطن کا مطلب یہ ہے کہ سلسلہ موجودات پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ دنیا عالم اسباب ہے اور مسبب اول ذات باری تعالیٰ ہے۔ اور اگر مبانات کو دیکھو تو اس کی انتہا بھی ذات باری تعالیٰ پر ہوگی۔ سمندروں میں جہاز چل رہے ہیں یا ہواؤں میں طیارے پرواز کر رہے ہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ہوا کے زور پر ہو رہا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ہوا بذات خود چلنے والی چیز نہیں۔ اور جب وہ خود نہیں چل سکتی تو کسی دوسری چیز کو چلا بھی نہیں سکتی بلکہ اوس کا کوئی محرک ہے۔ سائنس اور علوم جدیدہ نے اوس کے محرکات کا ایک سلسلہ دریافت کیا ہے تو یہ ہمارے دعوے کے لئے مضر نہیں، یہ سلسلہ آگے چل کر

کسی ایسی ذات پر منتہی ہونا ضروری ہے جو دوسری چیزوں کو حرکت میں لاسکتی ہے اور خود متحرک نہ ہو۔ بلکہ اس سے منزہ ہو پس یہی منزہ ذات حق سبحانہ تعالیٰ کی ہوگی۔ اسی طرح دیگر صفات کو بھی سمجھ لیجئے۔ سیر کی ابتدا کا تصور کیجئے تو سب سے اول ذات الٰہی ہوگی۔ اور اوس کی انتہا کا خیال کیجئے تو وہ بھی اوسی کی ذات پر منتہی ہوگی۔ وجود حق پر نظر کیجئے تو اوسی کا وجود ظاہر معلوم ہوگا اور اگر وجود خلق پر غور کیجئے تو درباطن وہی ذات ہوگی۔

مولائے کائنات کا ارشاد حضرت مولائے کائنات سیدنا علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: — تجلی لعبادہ من غیر ان رأوہ و أراھم نفسہ من غیر ان یتجلی لھم۔ اپنے بندوں پر تجلی فرمائی تو ایسی تجلّی فرمائی کہ وہ پھر اوس کو دیکھ نہ سکے۔ اور کسی کو اپنی ذات کا مشاہدہ کرایا تو تجلی سے اون کو کوئی بہرہ نہ مل سکا" کیوں کہ اس کی حاجت ہی نہ تھی: ؎

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو صفات تو عین ذات می نگری در تبسمے

صدیق اکبر کا ارشاد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: یامن غایۃ معرفتہ القصور عن معرفتہ۔ اے وہ ذات! جس کی

معرفت کا کمال ہی یہ ہے کہ اوس کی کما حقہ معرفت سے اپنے آپ کو قاصر پائے اور اپنے عجز وقصور کا اعتراف کرے" دوسرے موقع پر فرمایا۔ العجز عن درك الذات ادراك۔ ذات الٰہی کے باب میں انسان کا کمالِ ادراک یہی ہے کہ اوس ذات بےچوں و بےچگوں کے ادراک سے اپنے آپ کو عاجز پائے"۔ ماعرفناك حق معرفتك کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ جیسا پہچاننا تھا ہم تجھے نہ پہچان سکے"۔ یہی اقرار کمال معرفت ہے ورنہ :

آں کس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند   فرزند و عیال و خانماں را چہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی ؟   دیوانہ تو ہر دو جہاں را چہ کند

محققین کی رائے محققین فرماتے ہیں:۔ اس آیہ کریمہ میں تشبیہ کی کمال درجے نفی کی گئی ہے۔ کیوں کہ دوسروں کا حال یہ ہے کہ جو اول ہو وہ (اُسی حیثیت اور اعتبار سے) آخر نہیں ہوسکتا اور جو ظاہر ہو وہ باطن نہیں ہوسکتا۔ مگر خداوند تعالیٰ شانہ اول بھی ہے آخر بھی ظاہر بھی ہے باطن بھی تو معلوم ہوا کہ وہ کسی مخلوق اور مصنوع کے مشابہ نہیں۔ نہ کوئی چیز اوس کے مثل ہے۔ لیس کمثله شیئ وهو السميع البصير۔

حضرت جنیدؒ کا تاثر حضرت سید الطائفہ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:۔

نفی القدم عن کل اوّل باوّلیتہ، ونفی البقاء عن کلّ آخر بآخریّتہ،
واضطر الخلق الی الاقرار بربوبیتہ بظاہریتہ، وحجب الافہام
عن ادراک کنہہ وکیفیتہ بباطنیتہ، اللہ سبحانہ کی اولیت سے تمام
اگلی چیزوں کے قدامت کی نفی ہو گئی، اور اُس کی آخریت سے ہر پچھلی چیز کے
بقا کی نفی فرما دی گئی، اور ظاہریت کے باعث ساری مخلوقات کو اوس کی
ربوبیت کا اقرار کر لینا پڑا۔ اور باطنیت کے باعث اوس کی کنہ اور کیفیت
کے ادراک سے افہام پر پردہ ڈال دیا گیا۔ یعنی وہ ایسا اول کہ اوس سے
اول کوئی متصور نہیں اور ایسا آخر کہ اوس سے بھی آخر تر کوئی نہیں ہو سکتا
اور ایسا ظاہر کہ اوس کی ربوبیت کا اقرار کرنے سے کسی کو چارہ نہیں۔
اور ایسا باطن کہ اوس کی حقیقت کو کوئی نہیں جان سکتا اور یہ کہ وہ
کیسا ہے کوئی بتا نہیں سکتا۔ تمام افہام اوس کی کنہ اور کیفیت کے
ادراک سے قاصر ہیں۔ : ؎

اول و آخر توئی کیست حدوث و قدم ظاہر و باطن توئی چیست وجود و عدم
اول بے انتقال آخر بے ارتحال ظاہر بے چند و چون باطن بے کیف و کم

57-4 هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا
يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ؕ وَهُوَ
مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ○

وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں پھر قائم ہوا تخت پر
جانتا ہے جو اندر جاتا ہے زمین کے اور جو اُس سے نکلتا ہے اور جو کچھ
اُترتا ہے آسمان سے اور جو کچھ اُس میں چڑھتا ہے اور تمھارے ساتھ ہے
جہاں کہیں تم رہو اور اللہ جو تم کرتے ہو اس کو دیکھتا ہے۔"

ستۃ ایام کی تفسیر | هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ۔ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔" اس کا بیان اوپر کئی جگہ آچکا ہے کہ اللہ سبحانہ کو تمام کائنات آن واحد میں پیدا کرنا دشوار نہ تھا مگر چھ دن میں اس لئے پیدا کیا کہ ہم اپنے کام غور و فکر سے کیا کریں۔ عجلت پسندی سے کام میں خرابی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ــــ الاناءۃ من اللّٰہ والعجلۃ من الشیطان ۔ دھیرے دھیرے کام کرنا منجانب اللہ ہے اور جلدی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔" اسی وجہ سے مشہور ہے

ع ۔ کہ تعجیل کار شیاطیں بود ۔ ستۃ ایام میں صفات ستہ کی طرف اشارہ ہے
جس کا مظہر اللہ سبحانہ نے انسان بلکہ تمام کائنات کو بنایا ۔ حیات، علم،
قدرت، ارادہ، سمع اور بصر ۔ اب جب کہ ہر شئی تسبیح کرتی ہے تو یہ کلام ہے
اوس کے لیے حیات لازم ہے ۔ اسی طرح تسبیح کا علم، تسبیح کرنے پر قدرت،
اور جس کی تسبیح کی جاتی ہے اوس کی تخصیص، یہ ارادہ ہے، پھر اس تسبیح کو
خود سننا ۔ کیوں کہ ذاکر جب تک اپنے ذکر کو اپنے کان سے نہ سنے اس ذکر کا اعتبار
نہیں ۔ پھر مُسبّح لہ کا مشاہدہ ۔ جس طرح بھی میسر ہو ۔ اگر تسبیح کرنے والا ان صفات
ستہ سے متصف ہو اور ہر صفت سے کام لے تو اس تسبیح کا لطف پوشیدہ نہیں ۔ بظاہر
یہ صفات انسان میں تو پائے جاتے ہیں لیکن محققین کے نزدیک کائنات کی ہر شئی
ان صفات سے متصف ہے ۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۔ اس کی تفسیر سورہ طٰہٰ میں حضرت
سید الشیوخ علیہ الرحمہ نے فرمادی ہے، شائقین ملاحظہ فرمائیں ۔

علم الٰہی کی تفسیر يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا
يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۔ زمین میں جو چیزیں جاتی ہیں اور
اوس سے جو چیزیں نکلتی ہیں اُن سب کو جانتا ہے ۔ اسی طرح آسمان سے جو چیزیں

اُترتی ہیں اور جو اوس میں چڑھتی ہیں وہ بھی اوس کو سب معلوم ہیں۔ خزانے دفینے تخم اور اموات وغیرہ جو زیر زمین ہیں یا پانی ایک جگہ جذب ہوتا ہے پھر دوسری جگہ سے پھوٹ کر نکلتا ہے۔ یا سونا، چاندی، تانبا، پیتل وغیرہ معدنیات زمین سے نکلتے ہیں۔ کھیتیاں، جانور، حشرات، جو زمین سے پیدا ہوتے ہیں قیامت کے وقت خزانے، دفینے اُبل پڑیں گے۔ دفن کئے ہوئے انسان دوبارہ زندہ ہوکر قبروں سے نکلیں گے۔ سب کچھ اللہ سبحانہ کو معلوم ہے۔ نیز دل کے خطرات، وساوس سے لے کر خیال پختہ ہونے اور کسی فعل کا عزم بالجزم ہونے تک جو مراحل ہیں یا دماغ میں جو منصوبے پیدا ہوتے ہیں وہ بھی سب کچھ اللہ سبحانہ کو اچھی طرح معلوم ہیں۔ اس میں کس کو کیا کلام ہوسکتا ہے؟ آگے مزید وضاحت فرمائی جارہی ہے:—

معیت الٰہی کی تفسیر | **وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ** ۔ "اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں رہو" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:— عالم بکم اینما کنتم (ابن ابی حاتم) "وہ تم کو جانتا ہے تم جہاں کہیں رہو" اور سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں:— علمہ۔ (بیہقی) "اوس کا علم تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں ہو" گویا معیت علمی مراد ہے۔ حضرت مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں:۔ قدرتہ وسلطانہ وعلمہ (بیہقی) "اوسکی قدرت اوسکی بادشاہت اور اوس کا علم تمہارے ساتھ ہے"۔

معیت کے باب میں محققین کی رائے | محققین فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کی

ذات و صفات کے باب میں خصوصاً محفوظ تر اور اسلم طریقہ یہ ہے کہ ہم کوئی تاویل نہ کریں بلکہ اوس کی تفصیل کو علم الٰہی کے حوالے کر دیں یا اتباع سلف کیا جائے یعنی سلف صالحین نے جہاں کوئی تاویل فرمائی ہے ہم بھی اُن کا اتباع کریں اور جہاں کہیں اونھوں نے علم الٰہی کے تفویض فرمایا ہے ہم بھی تفویض سے کام لیں یہ نہیں کہ اونھوں نے کسی جگہ تاویل فرمائی ہو تو اوس کی بنا پر کسی دوسری جگہ جہاں اونھوں نے کچھ نہیں فرمایا ہم اپنی طرف سے کوئی تاویل کر بیٹھیں۔ اگر ایسا ہو تو اللہ سبحانہ کی جناب میں ہماری بہت بڑی جسارت ہو گی۔ مسلمانوں کو اس سے بچنا ضروری ہے۔

حدیث شریف میں ہے:۔ انّ من افضل ایمان المرء ان یعلم انّ اللّٰہ معہ حیث کان۔ (ابن مردویہ، بیہقی عن عبادہ بن الصامت رض) انسان کے افضل تر ایمان سے یہ بھی ہے کہ وہ یقین جانے کہ وہ جہاں کہیں ہو اللہ سبحانہ اُس کے ساتھ ہے۔"

مراقبہ معیت الٰہی صوفیہ کرامؒ کی اصطلاح میں ایسے ایقان کو "مراقبہ" کہتے ہیں۔ مثلاً مرد مومن کا یہ ایقان کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، ہمارے پاس ہے، ہماری رگ جاں سے قریب تر ہے۔ یہ مراقبہ معیتِ الٰہی ہے۔ اسی طرح

ہم اُس کے علم میں ہیں اس کے معلومات میں شامل ہیں۔ عالم شہادت میں آنے
سے قبل ہم اعیان ثابتہ تھے معلومات الٰہی میں شامل تھے۔ جب ان اعیان
ثابتہ کو وجود بخشا گیا تو ہم اس عالم میں جلوہ گر ہو کر بھی اُس کے علم سے خارج
نہیں۔ یہ مراقبہ علم الٰہی ہے۔ ہر چیز اوس کے احاطے میں ہے تو ہم پر بھی وہ
محیط ہے۔ نہ وہ ہم سے دور ہے اور نہ ہم اُس سے دور ہیں۔ حقیقت یہ ہے
کہ انتہائی قُرب ہی مانع رویت ہے۔

دُرِّ معکم سفتی فی انفسکم گفتی ازچشم نظر بازاں پردہ بہ چہ پیدا کردی

مراقبہ معیت الٰہی کے فوائد معیت الٰہی کے اس مراقبہ وایقان میں ان کا
فائدہ یہ ہے کہ اگر وہ حق پر ہے اور ایسے کام میں لگا ہوا ہے جس میں اللہ سبحانہ
کی رضا و خوشنودی ہے تو اوس کو اس ایقان اور ایسے کام میں تقویت ہوگی
اوس کے خلاف باطل کی قوتیں جس درجہ بھی اُبھر کر آئیں اوس کو ذرہ برابر
تشویش نہ ہوگی۔ اور اگر معاملہ برعکس ہے تو ایسا ایقان اوس کو باطل سے
دور رکھے گا۔ بہر صورت معیت الٰہی انسان کے فائدے سے خالی نہیں بشرطیکہ
فائدہ اٹھایا جائے۔

واقعہ ہجرت حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے ساتھ بوقت ہجرت غارِ ثور میں فروکش ہوئے تو قریش کے جاسوس وہاں تک پہنچ گئے۔ حضرت صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ اتنے نزدیک آن پہنچے کہ ذرا جھک جائیں تو ہم کو دیکھ لیں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا:—
ماظنّك باثنین اللّٰہ ثالثهما۔ (ابوبکر!) غم نہ کھاؤ تمہارا ان دو کے متعلق کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ سبحانہ ہے"۔ یعنی ان کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا اللہ سبحانہ نے اس واقعہ کی حکایت اس طرح فرمائی:— اذیقول لصاحبہ لاتحزن انّ اللّٰہ معنا۔ جب وہ کہہ رہے تھے اپنے رفیق سے کہ غم نہ کھاؤ بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔

بہرحال یہ معیت حسی، ذہنی، خیالی، وہمی، فرضی نہیں بلکہ ذوقی، کشفی، شہودی، حقیقی ہے جس کے بے شمار مدارج ہیں۔ جس کو جس درجے کا ذوق، کشف و شہود حاصل ہوا اس حد تک وہ معیت کو جانتا ہے۔ امر ذوقی کے بیان سے زبان قاصر اور قلم شکستہ ہے۔ عارف رومیؒ فرماتے ہیں:—

این معیت می نہ گنجد در بیاں　　نے زماں دارد خبر زو نے مکاں

اینما کنتم کی تفسیر | اسی طرح اَیۡنَمَا کُنۡتُمۡ میں جس اَیۡنِیَّت کا ذکر ہے وہ بھی ہر نوع کی اینیت پر حاوی ہے یعنی تم جہاں کہیں ہو اینیۃ از لیۃ

ابدیہ، معنویہ، روحانیہ، مثالیہ، حسیّہ، دینویہ، برزخیہ، نشریہ، حشریہ، نیرانیہ، جنانیہ، غیبیہ، شہادیہ سبھی اس میں داخل ہیں۔ یا یوں کہیئے کہ معیتہ کی طرح اینیتہ بھی مبہمات، متشابہات سے ہے جس کی تاویل اللہ سبحانہٗ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ راسخین فی العلم بھی ہیں تو وہ یہی کہتے ہیں: — آمنّا باللّٰہ ہمارا ایمان اللہ پر ہے۔" زبان کو یارائے بیان نہیں اور نہ قلم میں طاقت جولانی و روانی ہے بر ہیم عاشقین کو بشارت، متوکلین کو توفیق، عارفین کو سکینت، محبین کو بہجت، مراقبین کو یقین، مقبلین کو رعایت نگہداشت، اور موحدین کو سرِ وحدت کا سامان فراہم ہو رہا ہے — ذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء

بما تعملون بصیر کی تفسیر

وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ۔ اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔" اس میں غافلین کی تنبیہ اور متنبہین کی تسلی ہے کہ غافل کو رب العالمین سے حیا کرنی چاہیئے کہ اوس کے علم میں رہتے ہوئے اور اوس کے ساتھ ہوتے ہوئے اور اوس کی نظر کے سامنے ہوتے ہوئے اوس کے حکم کی خلاف ورزی کس طرح کی جائے بلکہ خلاف ورزی کے خیال کو دل میں کس طرح جگہ دی جائے جب کہ وہ دلوں کے حالات سے واقف ہے۔ پھر اوس کی سزا سے کس طرح چھوٹ سکے گا اور پرسش کا کیا جواب دے گا۔ اسی طرح جو لوگ غفلت سے دور ہیں اور اون کے دل

اللہ سبحانہ کی یاد سے معمور ہیں اون کو اطمینان حاصل ہے کہ ہمارا کوئی عمل ضائع نہ ہوگا اور کوئی نیکی فراموش نہ ہوگی کیوں کہ علم الٰہی ہر چیز پر محیط ہے۔ اللہ سبحانہ کی معیت ہے اور وہ دیکھ رہا ہے تو ضرور ہے کہ ہر ہر عمل اور ہر نیکی کی بہترین جزا اور اوس کی خوشنودی و رضا بہر حال نصیب ہوگی۔ اگر سالک کی نظر، کم از کم واللہ بما تعملون بصیر پر ہو تو اوس کی ساری غفلت کافور اور شوق عمل کا وفور ہو۔ واللہ الموفق۔

لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ 57-5

اُسی کے لئے ہے راج آسمانوں اور زمین کا، اور اللہ ہی تک پہنچتے ہیں سب کام۔

لہ ملک السمٰوات کی تکرار تاکیداً نہیں اس سورۃ کریمہ کی دوسری آیت کا آغاز بھی یہی تھا لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ وہاں انسان کی ابتدائے آفرینش پیش نظر تھی۔ یعنی انسان پیدا ہوا اور دنیا میں بھیجا گیا تو اوس کو پہلا سبق یہی دیا گیا کہ تم جس جگہ آئے ہو یہاں تمہارا کچھ نہیں ہے۔ یہ آسمان جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے اور تم پر سایہ فگن ہے اوس پر پادشاہت اُسی مالک الملک کی ہے اور یہ زمین جس پر تم نے قدم رکھا ہے اور جس پر تم چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، اور کام کاج کرتے ہو یہ بھی اوسی کی پادشاہت میں ہے۔ تمہاری حیثیت ایک کارکن کی ہے۔ تم زمین و آسمان نیز اون میں جو کچھ ہے

(رکوع ۱) ۵۸

کسی چیز کے بھی مالک نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد وہاں ارشاد ہوا تھا
یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ تم جو اس زمین پر زندہ رہ کر چلتے
پھرتے کام کاج کر رہے ہو، زندہ رکھنے والا وہی ہے۔ پھر ایک دن آنے والا ہے
جب کہ تم کو یہاں سے چلنا ہو گا۔ یہ چلنا تمھارا اختیاری نہیں جیسا کہ تمھارا یہاں
آنا اختیاری امر نہ تھا۔ وہ روانگی بھی ہمارے حکم کی محتاج ہے۔ ایسی حالت میں
یہاں کی کوئی چیز ہماری ملک نہ ہوئی۔ کیوں کہ آتے ہوئے کوئی چیز ساتھ نہ تھی تو
جاتے ہوئے بھی کچھ ساتھ نہ ہو گا۔ جیسا کہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ اگر کچھ انسان کا
ہے تو وہ صرف اوس کی صداقت، دین داری اور عمل ہے یہ انسان کے ساتھ ہے

لہ ملک السمٰوات ثانی میں تاسیس ہے علمائے معانی و بیان فرماتے
ہیں کہ ایک لفظ یا عبارت دو جگہ آجائے، اگر دونوں سے ایک ہی مفہوم مراد
ہو تو وہ تاکید ہے اور اگر ہر جگہ جدا مفہوم مراد ہو تو اوس کو تاسیس کہیں گے۔
اور اگر دونوں احتمال ہوں تو تاسیس کو ترجیح ہو گی۔ یہاں بھی ایسا ہی ہے۔
کیوں کہ اب جب کہ یہاں سے چلنا ٹھہرا ہے تو وہی سبق دوہرایا جا رہا ہے لَہٗ
مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اُسی کی ہے
تم کو یہاں سے سب کچھ چھوڑ کر جانا چاہئے۔ مگر اس تمہید کے ساتھ کہ یہ جانا کہاں کا ہے

ارشاد ہو رہا ہے والی اللہ ترجع الامور۔ اللہ سبحانہ کی طرف ہی پہنچتے ہیں سب کام"۔ تو تم کو بھی اوسی کے ہاں جانا ہے جہاں سے آئے تھے۔ یہی مضمون انّا للہ و انّا الیہ راجعون کا ہے کہ ہم سب اللہ سبحانہ کی ملک ہیں اور ہم سب اوسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں"۔ وہاں سے آئے تھے تو علوم روحانی کشفی، لدنّی لے کر آئے تھے یہ کسی استاد سے سیکھے ہوئے نہ تھے اور نہ اسباب وغیرہ کے واسطہ اور ذریعہ سے حاصل ہوئے تھے کیوں کہ بچہ دودھ پیتا ہے، روتا ہے ہنستا ہے، رینگتا ہے، چلتا ہے، کھاتا پیتا ہے، کھیلتا کودتا ہے تو اون میں سے ایک کام بھی کسی کا سکھایا ہوا نہیں ہے۔ جب بچہ ہوش سنبھالتا ہے تو علوم اکتسابی حاصل کرتا ہے جو استاد و کتاب اور دیگر اسباب و آلات کی مدد سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اس میں خود بچے کی سعی و اجتہاد کو بھی بڑی حد تک دخل ہے جب یہاں سے چلنا ٹھہرتا ہے تو جملہ کارنامے خواہ وہ علوم روحانی، کشفی، لدنّی کے نتائج ہوں یا علوم اکتسابی اور اجتہادی سے تعلق رکھتے ہوں یہ کارنامے تو یہاں رہ جاتے ہیں اور انسان کے علوم کا حال یہ ہوتا ہے کہ اگر اُس نے علم باقی کو حاصل کیا تھا تو وہ اوس کے ساتھ باقی رہتا ہے اور جو فانی کو حاصل کیا تھا تو وہ اسی دارِ فانی میں فنا ہو جاتا ہے۔ البتہ اوس کے علمی کارنامے اگر علم فانی سے متعلق ہیں تو

دنیائے فانیہ کی فنا تک زیادہ سے زیادہ قائم رہتے ہیں۔لیکن اگر علم باقی سے متعلق ہے تو اوس کو فنا نہیں بمصداق ماعندکم ینفد وماعند اللہ باق۔تمہارے ہاں جو کچھ ہے وہ فنا اور ختم ہونے والا ہے اور جو اللہ سبحانہ کے ہاں ہے وہی باقی رہنے والا ہے۔ واللہ اعلم۔

يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ٥ 57-6 داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور وہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات کو۔

رات دن کی کمی بیشی معلوم ہے کہ رات دن کے چوبیس گھنٹے ہیں جن میں سے نصف رات کے اور نصف دن کے ہیں۔اللہ سبحانہ کی قدرت ہے کہ موسم گرما میں رات کے چند گھنٹے دن میں داخل ہو جاتے ہیں جس کے باعث دن بڑھ جاتا ہے اور رات لازمی طور پر کم ہو جاتی ہے۔یہ کمی بیشی بھی طول بلد اور عرض بلد کے اعتبار سے کم زیادہ ہوتی ہے۔اگر رات کے تین گھنٹے دن میں داخل ہو گئے تو دن بجائے بارہ گھنٹے کے پندرہ گھنٹوں کا ہو گیا اور رات صرف نو گھنٹوں کی رہ گئی۔موسم سرما آتا ہے تو دن کے چند گھنٹے رات میں داخل ہو گئے اب رات زیادہ گھنٹوں کی ہو گئی اور دن چھوٹا ہو کر رہ گیا۔یہ بھی اللہ سبحانہ کی قدرت ہے۔پھر لطف یہ ہے کہ

شب تاریک اور طویل بھی ہو اور کوئی شخص اپنے دل میں کوئی بات چھپائے رکھے تو اللہ سبحانہ سے کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ جس طرح وہ ہر ایک کے ظاہری اعمال کو جانتا ہے دل میں چھپی ہوئی نیتوں کو بھی جانتا ہے۔ اُس کے آگے کسی کی کچھ بات چل نہیں سکتی۔ اسی طرح خطرات، وساوس، ارادے، منصوبے جو دل میں ہوتے ہیں وہ سب اُس کو خوب معلوم ہیں۔ اب ان تمام صفاتِ الٰہیہ پر جو آغاز سورۃ شریفہ سے یہاں تک بیان ہوئے اون کو مجموعی طور پر پیش نظر رکھو تو عظمت خداوندی ظاہر ہوگی۔ اسی طرح مومن کی نورانیت کو ترقی دینا اور دلوں کی تاریکی کو دور کرنا اُس کے آگے معمولی بات ہے۔

اِسمِ اعظم سے دُعا مستجاب براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے پوچھا:—

یا امیرالمؤمنین اسألك بالله ورسوله الا خصصتني باعظم ما خصّك رسول الله صلی الله علیه وسلم واختصّه به جبريل وارسله به الرحمٰن فقال اذا اردت ان تدعوالله باسمه الاعظم فاقرأ من اوّل سورة الحديد الی آخر ست آيات منها عليم بذات الصدور وآخر سورة الحشر يعني اربع آيات ثم ارفع

یدیك فقل یامن هو هكذا سئالك بحق هذه الاسماء ان تصلی
علی محمد وان تفعل بی کذا وکذا مما ترید فوالله الذی لا اله
غیره لتنقلبن بحاجتك ان شاء الله (ابن النجار) امیرالمومنین ! میں
آپ کو خدا اور رسولؐ کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے وہ بات خصوصیت سے بتایئے
جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو بطور خاص بتائی۔ اور
آں حضرت کو جبرئیل نے اور اون کو خدائے رحمٰن نے اوس خصوصیت کے ساتھ
بھیجا تو آپؓ نے فرمایا اگر اللہ سبحانہ کو اوس کے اسم اعظم سے بلانا چاہتے ہو تو
سورہ حدید کی ابتدائی چھے آیتیں علیم بذات الصدور تک اور سورۂ حشر
کی آخری چار آیات پڑھ کر دونوں ہاتھ اٹھاؤ اور عرض کرو کہ اے ذات باری
تعالیٰ جس کے اسماء و صفات یہ ہیں میں ان ہی اسماء کا واسطہ دے کر آپ سے
درخواست کرتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی رحمت خاصہ
نازل کیجئے اور میرے ساتھ ایسا ایسا سلوک فرمایئے (یہاں جو دعا مانگنی ہو
مانگ لے) تو اُس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، ان شاء اللہ
اپنی منہ مانگی مراد لیتے جاؤ گے"۔ محدثین کرام نے گو اس روایت کو ضعیف بتلایا
ہے مگر فضائل اعمال میں اس پر عمل درست ہے۔

اسم اعظم کی تاثیر تفسیر فتح الرحمن میں حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول منقول
ہے:۔ اسم اللہ الاعظم فی اول سورۃ الحدید فی ست آیات
من اوّلھا فاذا علقت علی المقاتل فی الصف لم ینفذ الیہ حدید۔
سورۂ حدید کی ابتدائی چھے آیات میں اللہ سبحانہ کا اسم اعظم ہے اگر صف
کارزار میں جاکر لڑنے والا آیات بالا کو (لکھ کر اپنے گلے میں) آویزاں کرلے تو
آہنی ہتھیار بھی اوس پر کارگر نہ ہوگا ۔"

آمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ 57-7
فِيْهِ ۭ فَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ یقین لاؤ

اللہ پر اور اوس کے رسول پر اور خرچ کرو اوس میں سے جو تمھارے ہاتھ میں
دیا ہے اپنا نائب بنا کے، بس جو لوگ تم میں یقین لائے ہیں اور خرچ
کرتے ہیں اُن کو بڑا ثواب ہے ۔"

ایمان لانے کا حکم اللہ سبحانہ تعالیٰ کے جو صفات اوپر بیان ہوئے
انسان اون کو خوب سمجھ لے تو اون کا اقتضا ہی یہ ہے کہ وہ اللہ سبحانہ او
اوس کے رسُول کا یقین کرلے کیوں کہ کائنات میں کوئی ہستی ایسی نہیں جس میں
یہ صفات کاملہ موجود ہوں اور ان صفات کا علم اوس کے رسُول کے ذریعہ

اور اوس کے رسول پر اُتاری ہوئی کتاب سے معلوم ہو رہے ہیں تو خدا پر یقین کرنا اور اوس کے رسول پر یقین کرنا، نیز رسول پر اُتاری ہوئی کتاب کا یقین کرنا بھی ضروری ہوا کیوں کہ یہ ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں جو ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کا انکار مابقی دو کے انکار کا مترادف ہے۔

حضرت عمرؓ کا تاثر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ مشہور ہے خود آپ فرماتے ہیں کہ جب میں اپنی ہمشیر کے پاس سے صحیفہ لے کر پڑھنے لگا تو اوس میں یہ بھی لکھا تھا: "بسم اللہ الرحمن الرحیم سبح للہ ما فی السموات والارض وھو العزیز الحکیم" فکلما مررت باسم من اسماء اللہ ذعرت ثم ترجع الیّ نفسی حتی بلغت "اٰمنوا باللہ و رسولہ وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ" فقلت اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ فخرج القوم مستبشرین فکبروا۔ (بزار، ابن عساکر، ابن مردویہ، ابونعیم، بیہقی) اللہ کے نام سے شروع ہے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ وہی ہے عزت والا، حکمت والا" اس طرح پڑھتے پڑھتے اللہ سبحانہ کا جو نام آتا میں پریشان ہو جاتا۔ پھر اپنی حالت پر آتا تو آگے پڑھتا

تاآں کہ آمنوا باللہ و رسولہ والی آیت کریمہ پر پہنچا تو بے ساختہ کلمہ پڑھا پھر کیا تھا کہ تمام لوگ خوش ہو کر نعرۂ تکبیر بلند کرنے لگے۔"

علامت ایمان انفاق مال پھر ان تینوں پر یقین کر لینے اور ایمان لانے کی علامت خاص یہ ہے کہ اللہ نے بندے کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرے اور یہ سمجھ کر خرچ کرے کہ یہ دولت میری نہیں بلکہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی ملک ہے ہم کو اس نے اپنا نائب اور خزانچی بنایا ہے۔ خزانچی کا کام یہ ہے کہ مالک کے حکم کے مطابق اوس کا صرف کیا کرے، یہ نہیں کہ من مانے خرچ کرتا جائے۔ ایسا خرچ کرنے والا خائن کہلائے گا۔ خزانچی تو امین ہوتا ہے۔ ہماری حیثیت اپنے مال و متاع میں امین کی اس وجہ سے ہے کہ یہ مال، ہم سے پہلے دوسرے کی ملک میں تھا اوس کے بعد ہمارے ہاتھ میں آیا ہے۔ اسی سے یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اگر ہم اس مال کو جوڑ جوڑ کر رکھیں گے اور راہ خدا میں خرچ نہ کریں گے تو یہ مال، ہمارے قبضہ سے دوسرے کے ہاتھ میں اسی طرح چلا جائے گا جس طرح دوسرے کے قبضہ سے ہمارے ہاتھ آیا تھا۔ اگر اوس کے حکم کے مطابق خرچ کرتے رہیں گے تو مالک خوش ہوگا کہ بندہ اپنے مالک کو مانتا بھی ہے اور اوس کا حکم بجا لاتا ہے۔ اس صورت میں بندے کا اعزاز

بڑھیگا اور اس سے زیادہ مال و دولت اوس کے قبضہ میں آئے گی۔ ورنہ ایک دن اس کو چھوڑنا ہی پڑے گا:

وَیَکْفِیْكَ قَوْلُ النَّاسِ فِیْمَا مَلَکْتَهٗ   لَقَدْ کَانَ هٰذَا مَرَّةً لِفُلَانٍ

تم جن چیزوں کے مالک ہو اُن کی نسبت لوگوں کا یہی قول بس ہے کہ یہ مال کبھی فلاں کی ملک میں تھا۔" حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں:

مکن تکیہ بر ملک و جاہ و حشم   کہ پیش از تو بودست بعد از تو ہم

خور و پوش و بخشائے و راحت رساں   نگہ می چہ داری ز بہر کساں

حضرت عثمانؓ کی منقبت تفسیر فتح الرحمٰن میں ہے کہ اس آیۂ کریمہ میں حضرت سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ ہے جن کی دولت و ثروت اور داد و دہش مشہور ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں جو حصہ آپ کا رہا ہے صفحات تاریخ اوس سے بھرے پڑے ہیں اور مال و دولت کے ذریعہ آپ نے خدائے بزرگ و برتر اور حبیب اطہر نبی انور کی جو خوشنودی و رضا حاصل کی ہے قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں اوس کے تذکرے موجود ہیں خصوصاً غزوہ تبوک کے موقع پر آپ نے جو مثال قائم کی قیامت تک آنے والوں کے لیے ایک روشن حقیقت ہے۔

علم و عرفان اور کسب و ہنر کی تعلیم | راہ خدا میں خرچ کرنا صرف مال و دولت ہی
کا نہیں، اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جو کمال دیا ہے خواہ وہ علم و فضل ہو یا کشف و
معرفت، یا کسب و ہنر، اس کو بندگان خدا تک پہنچایا جائے تاکہ اوس کا فیضان
عام ہو اور سبھی اوس سے فائدہ اوٹھاتے رہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ
وسلم نے فرمایا:۔ انفق ینفق علیك ولا توك فیوك علیك۔ دوسروں پر
خرچ کرتے رہو تو تم کو بھی ملتا رہے گا اور روکو نہیں پھر تم پر بھی روک ٹوک ہوگی۔
علم کے باب میں فرمایا:۔ من کتم علما یعلمه الجم یوم القیامة
بلجام من نار۔ جس نے علم کو چھپایا جس کو وہ جانتا تھا تو قیامت کے دن
اوس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی۔

ایک لطیفہ | یہاں ایک کھلا اشارہ اس طرف ہے کہ صرف کلمہ پڑھ لینا،
ایمان کامل نہیں بلکہ ایمان لانے کے ساتھ، راہ خدا میں کچھ خرچ کرنا بھی ہے
جس کا حکم دیا جا رہا ہے۔ غالباً یہی سبب ہے کہ اساتذہ کے پاس طالب علم کوئی کتاب
شروع کرتے ہیں تو شیرینی وغیرہ لاتے ہیں۔ مشائخ کرام و پیران طریقت کے
پاس مرید ہونے آتے ہیں تو اون میں بعض لوگ شیرینی وغیرہ کے ساتھ کچھ نذرانہ پیش کرتے ہیں۔
یوں دیکھا جائے تو ایسی شیرینی یا نذرانہ کی اس تعلیم و عرفان کے مقابل کوئی حقیقت نہیں

مگر بات یہ ہے کہ روپے پیسے سے انسان کو بڑی محبت ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے:
وانّہ لحبّ الخیر لشدید۔ بے شک انسان مال کی محبت میں سخت ہے۔" تجربہ کی
بات یہ ہے کہ جس کام پر گرہ سے کچھ خرچ نہیں کیا جاتا انسان کے دل میں اس کی
وقعت نہیں رہتی۔ اور جہاں خرچ کرنا پڑے ایسا کام بہت عزیز ہوتا ہے۔
پس اسی وقعت و عزت کے پیش نظر یہ طریقہ رائج ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا 57-8 (۵۷-۸)
بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ اور تم کو
کیا ہوا کہ یقین نہیں لاتے اللہ پر، اور رسول بلاتے ہیں تم کو کہ یقین لاؤ
اپنے رب پر، اور لے چکا ہے تم سے عہد پکا اگر ہو تم ماننے والے"

اس آیہ کریمہ میں مَا لَكُمْ کا جو خطاب فرمایا گیا ہے اس میں حسب ذیل
احتمالات ہیں:—

خطاب قریش سے | ۱۔ قریش اس کے مخاطب ہیں جو اس آیہ کریمہ کے
نزول کے وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس اعتبار سے معنی یوں ہوں گے
کہ اے کفار قریش! تم کو کیا ہوا کہ آغاز سورہ سے یہاں تک جو صفات حق سبحانہ
تعالیٰ کے بیان ہوئے، ان سب کو سننے کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے

درحالیکہ رسولؐ تم کو دعوت دے رہے ہیں کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ اور
تم سے تمھارے رب نے میثاق میں پختہ عہد لے چکا ہے جبکہ فرمایا تھا اَلَسْتُ
بِرَبِّکُم کیا میں تمھاری پرورش اور تربیت کرنے والا مالک نہیں ہوں؟ تم نے
اوس وقت اقرار کیا تھا "بلیٰ" - کیوں نہیں بے شک آپ ہمارے رب ہیں"۔
یہ میثاق انسان کی اصل فطرت میں ہے اور کچھ نہ کچھ نشان بنی آدم کے قلوب میں
آج بھی پائے جاتے ہیں - چنانچہ انسان پر معاشی مشکلات کا زور ہوتا ہے تو
بسا اوقات ایک نادان سے نادان بھی تمام مشکلات و مصائب کو نظر انداز
کرکے بے ساختہ کہہ اوٹھتا ہے کہ مجھے ان مشکلات و مصائب کی پرواہ نہیں اللہ
میرا مالک ہے - بعض بزرگوں نے تو یہاں تک فرمایا کہ میثاق میں جو عہد بنی آدم
سے لیا گیا وہ منظر اب بھی ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور الست بربکم اور
اوس کے جواب میں بلیٰ کہنے کی آواز ہمارے کانوں میں گونج رہی ہے - لہذا اگر
اس میثاق کا تم کو یقین ہے تو ایمان کیوں نہیں لاتے؟

خطاب اہل کتاب سے ۲ - یہ کہ خطاب اہل کتاب سے ہے - معنی یوں ہوں گے کہ
اے اہل کتاب! تم کو کیا ہو گیا کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے درحالیکہ تم کو
رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تمھارے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں

اور اللہ نے تم سے عہد لے لیا ہے کہ نبی آخر الزماں تم میں تشریف لائیں گے تو
اون پر تم ایمان لاؤ گے اور اون کی مدد کرو گے ؟ اوس وقت تم اور تمھارے
تمام انبیاؑ و رسل نے اقرار کیا تھا کہ ہم ضرور اُن پر ایمان لائیں گے اور اُن کی
مدد کریں گے ۔ اور یہ ساری روداد تمھاری کتابوں میں موجود ہے اور انبیاؑ و
رسل علیہم الصلاۃ والسلام نے اپنے اپنے عہد میں وقتاً فوقتاً اس عہد و میثاق کی
تجدید فرمائی ۔ اگر تم کو اپنے رسولوں پر ایمان ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان
لانے میں تمھارا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہو سکتا ۔

خطاب صحابۂ کرام سے | ۳ ۔ یہ کہ خطاب صحابۂ کرام سے ہے ۔ یعنی اے
مسلمانو ! (جس طرح اللہ سبحانہ کی ذات پر اجمالی ایمان لا چکے ہو) اوس کی
تمام صفات کاملہ پر تفصیلی ایمان کیوں نہیں لاتے حالاں کہ رسول (محمد صلی اللہ
علیہ وسلم) تمھارے رب پر ایمان تفصیلی لانے کی دعوت دے رہے ہیں اور
رسول نے تم سے عہد لے لیا ہے کہ تم ان کی ہر دعوت پر لبیک کہیں گے ۔ اگر
تم کو خدا و رسول پر ایمان ہے تو تفصیلی ایمان لانے اور خدا کی ذات کی طرح
اوس کی جملہ صفات کاملہ پر ایمان لانے میں تمھارا کوئی عذر قبول نہیں اور نہ
عذر کی کوئی گنجائش ہے ۔

عرض فقیر | ۴۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ خطاب عام ہے۔ قریش ہوں یا اہل کتاب صحابۂ کرام ہوں یا قیامت تک آنے والے بنی آدم خواہ اون کا تعلق کسی زمان و مکان سے ہو سب ہی اس کے مخاطب ہیں۔ اور سب کے لیے لمحۂ غور و فکر دیا جاتا ہے کہ ہر فریق اپنی اپنی مناسبت و موزونیت کے لحاظ سے آیۂ کریمہ کو اپنے احوال پر منطبق کرے اور اپنے احوال کا جائزہ لے۔ واللہ اعلم۔

هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِہٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ 57-9

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝

وہی ہے جو اتارتا ہے اپنے بندے پر آیتیں صاف کہ نکال لائے تم کو

اندھیروں سے روشنی میں اور اللہ تم پر نرمی کرنے والا مہربان ہے"

آیٰت بیّنٰت کی تفسیر | اللہ سبحانہ تعالیٰ جس کی چند صفتیں آغاز سورت کریمہ سے یہاں تک بیان ہوئیں۔ وہی اپنے عبد کامل و اکمل پر یہ آیات واضحہ اُتارتا جا رہا ہے جس میں وعد و وعید، امر و نواہی، حلال و حرام کا مفصل و مدلل بیان ہے۔ زندگی کے طور طریق، اور کامیابی کی راہیں کھول دی گئی ہیں۔ تاکہ کفر، شرک، شک، جہل، مخالفت اور حجاب کی تاریکیوں سے تم کو نور ایمان توحید، یقین، علم، موافقت اور تجلی کی طرف نکال لائے۔ یہ آیات واضحہ

(۲۸-۱۲-۵۷)

خواہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات و خوارق عادات ہوں جن سے آپ کی نبوت و رسالت کا ثبوت ملتا ہے یا قرآن کریم کی آیات ہوں جن میں کی ہر آیت ایک معجزہ ہے جو قیامت تک صفحہ ہستی پر موجود رہے گا۔ اگر آپ مبعوث نہ ہوتے یا آپ کے دست مبارک سے یہ معجزات ظاہر نہ ہوتے یا قرآن کریم کی یہ آیات بینات نہ ہوتیں تو نہ تمہاری مذکورہ تاریکیاں دور ہوتیں اور نہ تم کو کبھی یہ نور نصیب ہوتا۔ اب جب کہ تمہارے لیے ایسا سامان فراہم ہو چکا ہے تو اس میں تمہاری کیسی خوش نصیبی ہے ؛ غور کرو تو معلوم ہو گا کہ اللہ سبحانہ تم پر کیسا مہربان اور رحم کرنے والا ہے کہ آیات کے ذریعے تم پر یقیناً رؤف یعنی مہربان ہوا ہے اور اپنے رسول کے ذریعے دعوت دے کر رحم فرما رہا ہے۔ یا یہ کہ افاضۂ نور کر کے اپنی رأفت کا اظہار فرما رہا ہے اور تاریکیاں دفع کر کے اپنی رحمت کا ثبوت دے رہا ہے۔ اس کی قدر دانی تمہارے ہاتھ ہے۔ قدر جانو گے تو اوس کا فائدہ تمہیں کو ملیگا۔ مبادا ناقدری کر کے اوس کی رأفت و رحمت کو شدت و غضب سے بدل دو، پھر تمہیں کو اس کا خمیازہ بھگتنا ہو گا۔

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ

وَالْأَرْضِ ۚ لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ

اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ
وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ ع ۱۰ / ۱۷

اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں، اللہ ہی کے لیے
آسمانوں اور زمین کی میراث، برابر نہیں تم میں سے وہ شخص جس نے خرچ کیا
فتح (مکہ) سے پہلے اور لڑائی کی، اُن لوگوں کا درجہ بہت بڑا ہے اُن سے جو کہ
خرچ کریں اس کے بعد اور لڑائی کریں، اور سب سے وعدہ کیا ہے اللہ نے
خوبی کا، اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید یعنی خدا اور رسول پر ایمان لانے کے بات میں
جس طرح تم کو کوئی عذر نہیں ہو سکتا اسی طرح اُس کی راہ میں خرچ کرنے کے بات میں
بھی تم کو کوئی عذر نہ ہونا چاہیئے۔ خرچ کرنا مال و متاع کا ہو یا خدا داد قابلیتوں
اور صلاحیتوں کا بلکہ اپنے نفس و جان کا۔ کیوں کہ ان میں سے ایک بھی
تمھاری ذاتی چیز نہیں۔ سب اُسی کی دی ہوئی ہے اور اُسی کی مِلک۔ اگر اپنی
خوشی اور اختیار سے خرچ کرو گے تو اس کا اجر اور صلہ اضعافاً مضاعفہ ملے گا جو
تمھارے خرچ کیے ہوئے سے کہیں بڑھ کر اور بہتر ہوگا۔ ورنہ ایک دن آنے والا ہے کہ
یہ سب تم سے چھین لیا جائے گا اور تم خالی ہاتھ یہاں سے رخصت ہو جاؤ گے۔

اور سارا اندوختہ یہیں دھرا رہ جائیگا۔ اور ساری چیزیں مالک الملک کے حوالے ہو جائیں گی' بلکہ یوں دیکھو تو اس وقت بھی سب کچھ اسی کا ہے۔ تم صرف اوس کے خلیفہ' امین' وکیل اور خزانچی ہو۔

بروقت اور بعد از وقت خرچ کا فرق

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ راہ خدا میں خرچ کرنا اگرچہ ہر حال میں اچھا ہے اور اس کا اجر ضرور ملیگا اور خرچ کرنے والا' بمقابل خرچ نہ کرنے والے کے لائق تحسین و آفرین ہے لیکن ایک خرچ کرنا بروقت ہوتا ہے اور دوسرا بعد از وقت۔ یہ دونوں خرچ مساوی درجے کے نہیں ہو سکتے۔ بروقت خرچ کرنا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ ایسا نکتہ ہے جو عقل اور نقل دونوں کے مطابق ہے اور اس کو دین دار اور دنیا دار ہر ایک قبول کرتا اور مانتا ہے۔ لہٰذا اگر بروقت خرچ کروگے تو اوس کا اجر بعد از وقت کے خرچ سے کہیں بڑھ کر اور بہتر ہوگا۔ مگر کسی نے جو خرچ کرنا تھا اوس کو خرچ تو کیا مگر بعد از وقت خرچ کرکے اوس کی اہمیت گھٹالی تو یہ کہاں کی دانش مندی ہوئی؟

صحابہ کرام بھی مختلف مدارج رکھتے ہیں

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں:۔

کان قتالان احدھما افضل من الآخر و کانت نفقتان احداھما افضل من الاخریٰ قال کانت النفقۃ و القتال قبل الفتح فتح مکۃ

افضل من النفقۃ والقتال بعد ذلک وکلا وعد اللہ الحسنیٰ قال الجنۃ

(عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن المنذر) دو لڑائیاں تھیں جن میں سے ایک دوسری سے افضل ہے۔ اسی طرح دو خرچ تھے جن میں سے ایک دوسرے سے افضل ہے۔ جو خرچ اور لڑائی فتح مکہ سے پہلے تھی وہ اوس خرچ اور لڑائی سے افضل ہے جو اس کے بعد ہوئی۔ اور اللہ نے ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ فرمایا یعنی جنت کا۔" اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بھی سب کے سب ایک درجہ اور ایک مرتبہ کے نہیں ہیں، ان میں بھی مدارج ہیں۔

مومنین قبل فتح کی فضیلت

فقیر عرض کرتا ہے فتح مکہ سے پہلے مسلمان تعداد میں بہت تھوڑے تھے، تہی دستی اس کے سوا تھی، مال غنیمت وغیرہ کی توقعات بھی کم تھیں۔ اس کے متقابل، کافروں، مشرکوں سے دنیا بھری پڑی تھی۔ ایسے نازک وقت میں مسلمان کا اپنی جان و مال کی بازی لگا دینا کوئی معمولی بات نہ تھی اس لئے ایسے اصحاب کی نسبت ارشاد ہوا اولٰئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا۔ یہی بہت بڑے درجے والے ہیں اُن اصحاب سے جنھوں نے خرچ کیا اور لڑائی کی مکہ کے فتح کے بعد۔" اگرچہ فتح مکہ کے بعد لڑنے والے اور خرچ کرنے والے بھی لائق تعریف ہیں کہ

اونھوں نے بھی احکام خدا ورسول کی تعمیل میں اپنے جان ومال کی بازی لگا دی مگر سابقین کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے۔ اس لیے کہ اس وقت تک مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ مال و دولت میں بھی فراوانی ہوئی۔ کامیابی اور غنیمت کی توقعات بھی زیادہ ہوگئیں۔ ہاں کامیابی آخرت کا استحقاق ان کو بھی حاصل ہوا۔ اسی لیے ارشاد ہوا: — وکلا وعد اللّٰہ الحسنیٰ۔ پہلے دور والے اور بعد والے ہر ایک کے ساتھ اللہ سبحانہ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے اور آخرت کی بھلائی جنت سے کم کیا ہو سکتی ہے؟ اسی لیے سلف صالحین نے "الحسنیٰ" سے جنت مراد لی ہے اور جنت کے ساتھ ہی الحسنیٰ کی تفسیر فرمائی ہے۔

تمام صحابہؓ مغفور ہیں اسی آیہ کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل جنت صرف عشرہ مبشرہ نہیں بلکہ جملہ صحابہؓ وصحابیات ہیں جنھوں نے ایمان کے ساتھ ایک نظر بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ لیا۔ یا یہ کہ حضور نے ان کو دیکھا کیوں کہ بعض صحابہؓ، ضعیف البصر بلکہ نابینا تھے مثلاً عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ فرق اس قدر ہے کہ عشرہ مبشرہ کو ان کے نام کے ساتھ جنت کی خوش خبری سنائی گئی ہے اور دیگر صحابہ کا وصف صحابیت مذکور ہوا ہے۔ عشرہ مبشرہ کی طرح حضرات حسنین علی جدہما وعلیہما الصلوٰۃ والتسلیم کی

شان میں نام کے ساتھ ارشاد مبارک ہوا سیدا شباب اھل الجنۃ یہ دونوں جوانان اہل جنت کے سردار ہیں " حضرت سیدہ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں نام کے ساتھ ارشاد ہوا سیدۃ نساء اھل الجنۃ کہ یہ جنتی عورتوں کی سردار ہیں وغیرہ وغیرہ۔ کما لا یخفی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں : — خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الحدیبیۃ حتی اذا کان بعسفان قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوشك ان یاتی قوم تحقرون اعمالکم مع اعمالھم قلنا من ھم یا رسول اللہ اقریش قال لا ولکنھم اھل الیمن ھم ارق افئدۃ والین قلوبا فقلنا اھم خیر منا یا رسول اللہ قال لو کان لاحد منھم جبل من ذھب فانفقہ ما ادرك مد احدکم ولا نصیفہ الا ان ھذا فصل ما بیننا و بین الناس لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، ابو نعیم) ہم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے سال نکلے۔ جب بہ مقام عسفان پہنچے تو حضور نے فرمایا عنقریب ایک قوم آئے گی جن کے اعمال کے آگے

تم اپنے اعمال کو بھی حقیر جانو گے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کون ہیں کیا قریش ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ وہ یمن والے ہیں جن کے دل نرم اور جن کے دلوں کا پردہ رقیق تر ہے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا وہ ہم سے بہتر ہوں گے۔ فرمایا اگر اون میں سے کسی کے ہاں سونے کا پہاڑ بھی ہو اور وہ اس کو راہ خدا میں خرچ کر ڈالے تو بھی وہ تمہارے ایک لپ (بیتو) بلکہ اوس کے نصف کو بھی نہیں پہنچ سکتے (ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں) آگاہ رہو یہی آیت لا یستوی منکم ہمارے اور دیگر اصحاب کے درمیان فیصلہ کن ہے۔"

خالدؓ و ابن عوفؓ کا مکالمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔ کان بین خالد بن الولید و عبد الرحمٰن بن عوف کلام فقال خالد لعبد الرحمٰن بن عوف تستطیلون علینا بایام سبقتمونا بها فبلغ النبی صلی اللہ علیه وسلم فقال دعوا لی اصحابی فوالذی نفسی بیدہ لو انفقتم مثل احد او مثل الجبال ذهبا ما بلغتم اعمالهم۔ (امام احمدؒ) خالدؓ بن ولید اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے مابین کچھ گفتگو ہو گئی، جس میں خالدؓ نے عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے کہہ دیا تم ہمارے مقابلہ میں صرف چند دنوں کی بنا پر اپنی شان دکھاتے ہو جن میں تم کو ہمارے

مقابلہ میں سبقت حاصل ہوگئی ہے (یعنی تم چند سال پیشتر ہم سے مشرف بہ اسلام ہوگئے)
یہ کلمہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا تو آپ نے فرمایا۔ میرے اصحاب کو
میرے لیے چھوڑ دو۔ قسم ہے اوس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تم
کوہ احد یا پہاڑوں کے برابر سونا خرچ کرو گے تو بھی اون کے کارناموں کو تم نہیں
پہنچ سکتے۔"

تمام صحابہؓ کی فضیلت امۃ مرحومہ پر بہرحال یہ تفاضل مابین الصحابہ ہوا
کہ تمام اصحاب ایک درجے کے نہیں اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے
کہ اوس کی تعبیر بھی فتح سے کی گئی ہے کیوں کہ فتح مکہ کی بنیاد، صلح حدیبیہ ہی میں رکھا
دی گئی تھی۔ جو فتح مکہ سے دو سال قبل ہوئی تھی۔ یہ تو لا یستوی منکم کی ایک
تفسیر ہوئی۔ دوسری تفسیر مطلق صحابہ کرامؓ کی فضیلت و برتری سے متعلق ہے جو اس
مبارک گروہ کو دوسروں پر ہے، وہ یہ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے
ہیں: — لا تسبّوا اصحاب محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم فلمقام احدھم
ساعۃ خیر من عمل احد کم عمرہ۔ (ابن ابی شیبہ) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کے اصحاب کو برا نہ کہنا کیونکہ اُن کا گھڑی بھر بھی آپ کے ساتھ رہنا، تمھارے
عمر بھر کے اعمال صالحہ سے کہیں بہتر ہے۔" اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

مرفوع حدیث ہے جس میں آپ فرماتے ہیں :۔ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا تسبّوا اصحابی فوالذی نفسی بیدہ لوانّ احد کم انفق مثل احد ذھبا ما ادرک مدّ احد ھم ولا نصیفہ (ابن ابی شیبہ' بخاری' مسلم' ابو داوٗد' ترمذی') حضرت رسول اکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زینہار میرے اصحاب کو برا نہ کہنا کیونکہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم میں کا کوئی شخص اُحد برابر سونا بھی خرچ کر ڈالے تو اُن کے ایک مُدّ (نام پیمانہ) بلکہ نصف مُدّ کو بھی پہنچ سکتا ''۔ اس مضمون کی اور بھی روایات ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ غیر صحابی' کسی صحابی کے درجے کو نہیں پا سکتا۔ لہٰذا اصحابہ کرامؓ کی شان میں برائی کے ساتھ لب کشائی سخت سوء ادبی ہے۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اس آیۃ کہ یہ کے آخر پر ارشاد ہوا:۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔ اب تم جو کچھ کرتے ہو' اللّٰہ سبحانہ اس سے بخوبی باخبر ہے''۔ یعنی خلاف ورزی کی سزا بھگتنی پڑیگی اللّٰہ اکبر

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ؕ ۲۸ (آیت ۱۱) 57-11

کون ہے ایسا کہ قرض دیوے اللّٰہ کو اچھی طرح' پھر وہ اس کو دو تا کر دے اُس کے واسطے اور اُس کو ملے ثواب عزت کا''

قرض حسن کی تفسیر

اللّٰہ سبحانہ کو قرض دینے کے معنی یہ ہیں :۔۔۔۔۔

اعطاء العین علی وجہ یطلب بدلہ۔ موجودہ شئی کو راہ خدا میں اس طرح دینا کہ اُس جیسی چیز کی واپسی مطلوب ہو" اور" قرض حسن" کے معنی یہ ہیں: الاعطاء للہ وتحری اکرم المال واَفضل الجہات۔ اللہ واسطے دینا' اور بہترین مال' اور بہترین سبب خیر دیکھ کر دینا" بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ" قرض حسن" وہ ہے جس میں یہ دس صفات پائے جائیں:۔

(۱) یہ کہ وہ کسب حلال سے حاصل کیا ہوا ہو کیونکہ اللہ سبحانہ کے ہاں حلال کی کمائی ہی مقبول ہے۔

(۲) نفیس ترین شئی جو موجود ہو اوس کو راہ خدا میں دیا جائے۔ نہ کہ خسیس اور ردی چیز دی جائے۔

(۳) ایسی حالت میں دیا جائے کہ خود کو اوس کی ضرورت ہو۔ انسان تندرست ہو جینے کی امید اور محتاجی کا اندیشہ لگا ہو۔

(۴) اللہ کے محتاج تر بندے کو دیا جائے۔ جو استحقاق و اولویت رکھتا ہو۔

(۵) پھر یہ عطا پوشیدہ طور پر ہو۔ داہنے ہاتھ سے دے تو بائیں جانب والے کو اس کی خبر نہ ہو۔

(۶) دے کر احسان نہ جتائے۔ اور ستا ستا کر نہ دے کہ اس سے ثواب جاتا رہتا ہے۔

(۷) دینے سے صرف خداوند تعالیٰ شانہ کی خوشنودی مقصود ہو۔ نام آوری وغیرہ مطلوب نہ ہو۔

(۸) جتنا بھی دے اُس کو حقیر سمجھے۔ اپنی داد و دہش کتنی ہی زیادہ ہو اوس کو زیادہ تصور نہ کرے۔

(۹) اپنی پسندیدہ چیز دے۔ نہ یہ کہ جو چیز خود کے پسند نہ ہو اُسکی خیرات کرے۔

(۱۰) ایسی صورت اختیار کرے جس میں لینے والے کی سہولت اور خوشی ہو۔ مثلاً یہ کہ اُس کے گھر تک پہنچا دے۔

بہرحال اللہ سبحانہ کو قرض دینے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کا کوئی عمل رائگاں نہ جائے گا۔ جو کام بھی کیا جائے اوس کی جزا ملیگی۔ جب صورت حال یہ ہے تو یہ بھی ایک طرح کا قرض ہی ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ قرض کے ساتھ حسن کی قید لگائی گئی کہ نیک کام بامید ثواب کریں۔ اگر کوئی برا کام کرے گا تو وہ بُرا قرض ہوگا۔ اس کی جزا بھی بُری ملیگی۔ کذا فی کشف الاسرار۔

حضرت شاہ صاحب کی رائے

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ فرماتے ہیں:-

قرض کے معنی یہ کہ اس وقت جہاد میں خرچ کرو پھر تم ہی دولتیں برتوگے (اور آخرت میں بڑے مرتبے پاؤگے) یہی معنی ہیں دونے کے۔ ورنہ مالک ہیں اور غلام میں کچھ دیا ج نہیں

جو دیا سو اُس کا۔ جو نہ دیا سو اس کا۔"

آقا اور غلام میں سود بیاج نہیں فقیر عرض کرتا ہے یہ اشارہ ہے اُس مسئلہ کی طرف جو ہدایہ وغیرہ کتب فقہیہ میں مذکور ہے:۔ لا ربا بین العبد والمولی یعنی غلام اور اس کے آقا میں اگر سودی معاملہ ہو تو وہ ربا نہیں۔ مثلاً آقا نے اپنے غلام کو تجارت کرنے کی اجازت دی۔ اور دوران تجارت میں غلام کو قرض کی ضرورت پڑی۔ غلام نے اپنے آقا سے قرضہ حاصل کیا اس شرط پر کہ فی صدی اس قدر سود بھی اصل کے ساتھ ادا کرے گا۔ یہ صورت بظاہر ربا کی سی معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت میں یہ ربا نہیں۔ اس لئے کہ غلام کے قبضے میں جس قدر مالِ تجارت ہے اور تجارت سے جو کچھ مال حاصل ہوتا ہے وہ آقا کی ملک ہے۔ اگر غلام قرض کے سلسلہ میں حسب وعدہ آقا کو سود بھرے تو اصل مع سود سب کچھ آقا کی ملک ہے لہٰذا یہ نہ ربا ہوگا اور نہ آقا کے لئے اُس کا لینا اور غلام کے لیے اس کا دینا ناجائز ہوگا۔

ابوالدحداح رضی کی منقبت عکرمہ رح کہتے ہیں جب یہ آیات نازل ہوئیں تو ابوالدحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:۔ واللہ لا نفقن الیوم نفقۃ ادرك بها من قبلی ولا یسبقنی بها احد بعدی فقال اللهم كل شیئ یملكه ابوالدحداح فان نصفه للہ حتی بلغ فرد نعله ثم قال وهذا۔

(عبد بن حمید، ابن المنذر) خدا کی قسم میں آج اتنا خرچ کروں گا جس کی بدولت میں اپنے
پیش رووں سے مل جاؤں گا اور میرے بعد کوئی مجھ سے سبقت نہ کر سکے گا۔ یہ کہہ کر
باری تعالیٰ سے عرض کیا الٰہی! ابوالدحداح جس جس چیز کا مالک ہے اوس کا نصف
اللہ کے لیے ہے۔ یہاں تک کہ جوتی کی باری آئی تو فرمایا اور یہ بھی" یعنی ایک
جوتی بھی راہ خدا میں تصدق ہے۔ دیگر روایات میں ہے کہ جب گھر آئے تو اپنی بی بی سے
یہ واقعہ ذکر کیا:۔ انی بایعت ربی۔ میں نے اپنے پروردگار سے یہ معاملہ کیا ہے"
بی بی نے کہا:۔ ربح بیعك۔ آپ کا معاملہ سود مند رہا" اس کی اطلاع حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوئی تو ارشاد ہوا:۔ کم من نخلة مدلاة
عذوقها فی الجنّة لابی الدحداح۔ جنت میں ابوالدحداح کے کتنے درخت
خرما ہیں جن کے خوشے آویزاں ہیں"

عارف رومیؒ فرماتے ہیں:۔

ہر کسے از ہمت والائے خویش سود بردہ در خور کالائے خویش

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ
وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۚ جس دن آپ دیکھیں ایمان والے

۱۲ (ع۲) ۵۸ 57-12

مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو دوڑتی ہوئی چلتی ہے ان کی روشنی اُن کے آگے اور ان کے داہنے' خوشخبری ہے تم کو آج کے دن' باغ ہیں بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں سدا رہو اُن میں یہ جو ہے' یہی ہے بڑی مراد ملنی "

یسعیٰ نورہم کی تفسیر | ترٰی میں جو خطاب ہے ہو سکتا ہے کہ خطاب عام مراد لیا جائے کہ ہر کوئی دیکھتا ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خطاب خاص مراد لیا جائے یعنی سید المخاطبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشاہدہ فرماتے ہوں گے کہ قیامت میں جب حساب وکتاب' سوال وجواب' اور فیصلہ' ثواب' عذاب' صادر ہوگا تو لوگ پُل (صراط) پر سے گزر کر جنت میں جا رہے ہوں گے اس وقت ایمان دار مردوں اور ایمان دار عورتوں کے سامنے اور داہنے روشنی دوڑتی ہوئی چلتی ہوگی۔ نور ایمان آگے آگے اور نور طاعت داہنے سے ہوگا۔ کیونکہ اچھے کام عموماً داہنے ہاتھ سے کئے جاتے ہیں۔ نیکو کاروں کا شمار اصحاب الیمین میں کیا گیا ہے جن کا تفصیلی بیان سورۂ واقعہ میں گزرا۔ نیک لوگوں کو نامۂ اعمال بھی سامنے سے لاکر داہنے ہاتھ میں ہی دیا جائے گا اور جنت کی راہ بھی داہنی سمت سے ہوگی۔ اور اہل ایمان اسی سمت سے جنت کی طرف روانہ ہوں گے۔ ان اعتبارات سے یَسْعٰی نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ کا ارشاد' سورۂ واقعہ کی وضیح تفسیر

اور کھلی تصویر ہے۔

ملائکہ کرام کا خیر مقدم ملائکہ کرام جو اہل ایمان کا استقبال کرنے پر مامور ہوں گے وہ قدم قدم پر بشارت دیتے ہوئے خیر مقدم کرتے ہوں گے مبارک ہو کہ آپ کے لئے باغات مہیا کئے گئے ہیں جو نہایت سرسبز و شاداب بارآور ہیں آب پاشی کا نظام مکمل ہے کہ زیر زمین سے نہریں بہتی ہیں اور درختان جنت کی آبیاری کر رہی ہیں۔ ارض جنت کی حقیقت ارض دنیا سے سوا ہے ایمان والے جب ایک دفعہ اس میں داخل ہوں گے تو اوس کے دلدادہ ہو جائیں گے نہ وہ اوس سے نکلنا چاہیں گے اور نہ کوئی اون کو وہاں سے نکالے گا۔ یہ قیام دوامی و یہ سکون ابدی جو آپ کو حاصل ہوگا ایسی بڑی کامیابی ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی کامیابی متصور نہیں ہو سکتی۔

فوز عظیم کی تفسیر کامیابیاں اہل ایمان کو دار دنیا میں بھی نصیب ہوئی تھیں مگر وہ محدود اور مشروط تھیں۔ محدود اس وجہ سے کہ دنیا کی مدت ہی کتنی اور اس مختصر مدت میں بھی مومن کا دنیا میں قیام کتنا؟ اور مشروط اس طرح کہ ہر کامیابی چند اوصاف حسنہ اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کی بنا پر ملی تھی جب تک وہ اوصاف باقی اعمال جاری اور اخلاق موجود رہے کامیابی سے ہم کنار رہے

اور جہاں یہ رخصت ہوئے کامیابی نے بھی اپنا رخ پھیر لیا۔ اب یہاں دار آخرت میں مومن کے صرف خاتمہ کا اعتبار ہے۔ خاتمہ بخیر تو سب کچھ بخیر۔ نہ اوصاف بدل سکتے ہیں نہ اخلاق۔ رہے اعمال وہ دار دنیا کے ساتھ مختص تھے جو دار تکلیف اور دار العمل تھا۔ یہ دار الجزاء ہے۔ یہاں ان محدود اور مختصر اعمال کی صرف جزا ملتی رہیگی اور ابد الآباد ملتی رہیگی۔ اب غور کیجئے کہ یہ کامیابی کیسی عظیم الشان کامیابی ہے؟ اللھم اجعلنا من الفائزین۔ آمین۔

نور اعمال صالحہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ یؤتون نورھم علی قدر اعمالھم یمرون علی الصراط منھم من نورہ مثل الجبل ومنھم من نورہ مثل النخلۃ وادناھم نورا من نورہ علی ابھامہ یطفأ مرۃ ویقد مرۃ۔ (ابن ابی شیبہ ابن جریر ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ حاکم بروایت صحیحہ) اہل ایمان کو ان کے اعمال صالحہ کے مطابق روشنی دی جائے گی تو وہ پل (صراط) پر سے گزریں گے۔ کسی کی روشنی کوہ عظیم کی طرح ہوگی اور کسی کی درخت خرما کی طرح اور ان میں سے کم از کم روشنی ان کی ہوگی جو صرف ان کے انگوٹھوں پر ہوگی، کبھی گل ہوتی اور کبھی روشن ہوتی جائے گی۔" فقیر عرض کرتا ہے کہ کم سے کم روشنی بھی ایسی ہوگی جیسی فی زمانا

بیاٹری کی ہوتی ہے بٹن دبانے سے گل ہوتی اور بٹن دبانے سے روشن ہو جاتی ہے ضرورت کے مطابق اوس سے بھی کام نکل جاتا ہوگا۔ اتنی روشنی بھی پل صراط پر سے جنت میں جانے کے لئے کافی ہوگی۔ اور جن کے لئے روشنی کے درخت اور پہاڑ روشن ہوں گے اون کا کیا پوچھنا۔ وفی ذلك فلیتنافس المتنافسون

انوار طاعت کا تفاوت قتادہؒ فرماتے ہیں:۔ ذکر لنا ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان المومنین یوم القیامۃ من یضیئ لہ نورہ لما بین المدینۃ الی عدن ابین الی صنعاء فدون ذلك حتی ان من المؤمنین من لا یضیئ لہ نورہ الا موضع قدمیہ والناس منازل باعمالھم (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن المنذر) ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن بعض مومنین وہ ہوں گے جن کا نور مدینہ منورہ سے عدن تک ہوگا جس سے صنعاء (پایہ تخت یمن) اور اوس سے آگے کے مقامات دکھائی دیتے ہوں گے۔ تاآں کہ مومنین میں ایسے بھی ہوں گے جن کی روشنی وہیں تک محدود ہوگی جہاں اون کے قدم پڑتے ہوں گے۔ بہرحال اعمال کے لحاظ سے لوگوں کے مدارج ہوں گے۔" فقیر عرض کرتا ہے کہ اصل روشنی ایمان اور عمل صالح کی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں بار بار فرمایا گیا ان الذین آمنو وعملو الصالحات جس کی صراحت مذکور الصدر احادیث شریفہ میں فرمائی گئی ہے۔ دنیا مزرعہ آخرت بنائی گئی ہے تو وقت ہے کہ ہم اپنے ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ اپنی نورانیت کو تازہ رکھیں اور تاامکان ترقی دیتے جائیں۔ ایمان وعمل لازم وملزوم ہیں۔ ایمان گلدستہ ہے تو عمل روشنی بعض گلدستے بھی اتنے صاف وشفاف ہوتے ہیں کہ تاریکی میں چراغ کی طرح جگمگاتے رہتے ہیں پھر وہ روشن ہوں تو نورٌ علی نور کا مصداق ہے۔ سورۂ نور میں آیۂ کریمہ اللہ نور السموات والارض کی تفسیر حضرت سید الشیوخ علیہ الرحمہ کے دست پاک وقلم مبارک سے گزر چکی ہے۔ ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہے۔

امۃ مرحومہ کی شناخت حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:— انا اول من یؤذن له فی السجود یوم القیامة واول من یوذن له ان یرفع رأسه فانظر بین یدیّ وعن خلفی وعن یمینی وعن شمالی فاعرف امّتی من بین الامم فقیل یا رسول اللہ کیف تعرفهم من بین الامم ما بین نوح الی امّتك قال غرّ محجّلون من اثر الوضوء ولا یکون لاحد

غیرھم واعرفھم انھم یوتون کتبھم بایمانھم واعرفھم بسیماھم فی وجوھھم من اثر السجود واعرفھم بنورھم الذی یسعی بین ایدیھم وعن ایمانھم وعن شمائلھم۔ (ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، حاکم بروایت صحیح) قیامت کے دن سب سے پہلے سجدہ کرنے کی اجازت مجھے ہوگی اور سر اٹھانے کی اجازت بھی سب سے اول مجھے ملیگی اُس وقت میں اپنے آگے پیچھے داہنے بائیں دیکھوں گا اور تمام امتوں میں سے اپنی امت کو پہچان لوں گا۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! نوح علیہ السلام کے عہد سے آپ کے عہد مبارک تک بہت ساری امتیں آئی ہیں آپ ان کو کیسے پہچانیں گے؟ ارشاد فرمایا وضو کی برکت سے اون کے چہرے اور ہاتھ پاؤں چمکتے ہوں گے۔ یہ نشانی کسی امت میں نہ ہوگی۔ دوم یہ کہ نامۂ اعمال اون کے داہنے ہاتھ میں ہوگا اس سے پہچان لوں گا۔ سوم یہ کہ سجدہ کرنے اور نماز پڑھنے کی بدولت ان کی پیشانیاں چمکتی ہوں گی۔ چہارم یہ کہ جو روشنی اون کے سامنے اور داہنے بائیں ہوگی اُس سے پہچان جاؤں گا۔" مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مومن کی بائیں جانب بھی روشنی ہوگی جیسا کہ اس حدیث شریف میں صراحت فرمائی گئی ہے لیکن آیہ کریمہ میں اس کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا گیا کہ بائیں جانب کا ذکر تعریف کے موقع پر

کئے جانے کا دستور نہیں ہے۔ واللہ اعلم

اس حدیث شریف میں برادران اسلام کے لئے ایک لمحہ غور و فکر ہے کہ عنداللہ وضو و نماز کی کیا اہمیت ہے خصوصاً اُن بھائیوں کو غور کرنا چاہیے جو نماز کے پابند نہیں ہیں کہ کیسی اہم اور کارآمد عبادت سے وہ غافل ہیں زیادہ کیا عرض کیا جائے۔

امۃ مرحومہ کی کامیابی کا منظر اس آیہ کریمہ پر مکرر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اللہ سبحانہ کو قیامت میں منظور ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امۃ مرحومہ کی کامیابی آخرت کا منظر دکھایا جائے جبھی تو آیہ کریمہ کا آغاز یوم تری المومنین سے فرمایا گیا ہے۔ خدائے رؤف و رحیم کو اس سے خوشی ہے کہ آخرت میں حضور انور کی امۃ مرحومہ کامیاب فائز المرام رہے اسی لئے یہ سارا اہتمام فرمایا گیا ہے کہ عام طور پر تاریکی چھائی ہوئی ہے اور میں ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کا نور ایمان و نور طاعت چمک رہا ہے ملائکہ کرام ہیں کہ گروہ در گروہ آ آ کر خوشخبریاں سنا رہے۔ بشارتیں دے رہے ہیں مبارک باد کا بازار گرم ہے اور یہ سہانا دلکش منظر حضرت نبی انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھایا جا رہا ہے۔ حضور انور فرماتے ہیں کہ میں اپنے امتیوں کو ایک ایک

کر کے پہچانتا جاؤں گا۔ کسی کو اعضائے وضو کی روشنی سے۔ کسی کو داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال دیے جانے سے۔ کسی کو سجدہ گاہ کے نور سے۔ کسی کو اون کے سامنے اور دائیں بائیں جانب کی روشنی سے۔ غور کیجیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسرت کا کیا عالم ہوگا؟ ظاہر ہے کہ جتنے زیادہ امتی کامیاب ہونگے اتنی ہی زیادہ مسرت ہوگی۔ پھر یہ عالم ہوگا کہ ادھر اہل ایمان خوش۔ ادھر ملائکۂ کرام شاداں و فرحاں استقبال کرتے ہوئے۔ ادھر حضور انور ایک ایک کو مذکورہ علامات و آثار کے ذریعہ پہچان پہچان کر مسرور ہیں اور سب سے بڑھ کر رب العزۃ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ کہ کامیابی دیکھتے بھی ہیں اور اپنے حبیب کو دکھاتے بھی ہیں اللہ اللہ وہ کیا عالم ہوگا؟ سبحان اللہ۔

قوم سے خطاب ان حالات کے مدنظر اگر امتہ مرحومہ کی ایک ایک فرد صرف پابند نماز بھی ہوجائے تو کم از کم دو نشانیاں اون کے ساتھ ہوں گی۔ ایک غُرًّا مُحَجَّلُوْنَ کہ وضو کی برکت سے اون کے اعضائے وضو درخشاں ہونگے۔ دوسرے سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ۔ کہ اون کی پیشانیاں سجدہ کے آثار سے چمکتی رہیں گی جن سے وہ پہچانے جائیں گے اور عظیم الشان کامیابی کی سمت بڑھائے جائیں گے واللہ الموفق۔

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا 7-1
نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ
فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ 57-
مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ؕ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى
وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ
الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ فَالْيَوْمَ 57-
لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ
هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

جس دن کہیں گے دغاباز مرد اور دغاباز عورتیں ایمان والوں کو انتظار
کرو ہمارا کہ ہم بھی روشنی سلگا لیں تمھاری روشنی سے کوئی کہیگا لوٹ جاؤ
پیچھے پھر ڈھونڈھ لو روشنی، پھر کھڑی کردی جائے گی اُن کے بیچ میں ایک دیوار
جس میں ہوگا دروازہ، اُس کے اندر رحمت ہوگی اور باہر کی طرف عذاب ہوگا
یہ اُن کو پکاریں گے کیا ہم نہ تھے تمھارے ساتھ؟ کہیں گے کیوں نہیں لیکن تم نے
بچلا دیا اپنے آپ کو اور تم راہ دیکھتے رہے اور دھوکے میں پڑے اور بہک گئے
اپنی آرزوؤں پر یہاں تک کہ آپہنچا حکم اللہ کا اور تم کو بہکا دیا اللہ کے نام سے

اُس دغاباز نے' بس آج تم سے قبول نہ ہوگا فدیہ دینا اور نہ منکروں سے
تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے' وہی ہے رفیق تمھاری اور بُری جگہ جا پہنچے ''

منافقین کی بدحالی جس دن مومنین مخلصین کی کامیابی کا یہ دل نشیں خوب صورت منظر سامنے ہوگا اس دن منافقین کی جو حالت ہوگی اور ان دغابازوں کی جو گت بنے گی اُس کا بھی کچھ احوال سُن لیجئے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:— ان اللہ یدعو الناس یوم القیامۃ باممٰاتھم ستراً منہ علی عبادہ واما عند الصراط فان اللہ یعطی کل مومن نوراً وکل منافق نوراً فاذا استووا علی الصراط سلب اللہ نور المنافقین والمنافقات فقال المنافقون انظرونا نقتبس من نورکم وقال المؤمنون ربنا اتمم لنا نورنا فلا یذکر عند ذلک احد احداً۔ (طبرانی' ابن مردویہ عن ابن عباس رض)

اللہ سبحانہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو اون کی ماؤں کا نام لے کر خطاب فرمائے گا (یعنی دنیا میں جو طریقہ لوگوں کو بلانے کا رائج ہے کہ وہ باپ کی طرف منسوب کر کے بلاتے ہیں مثلاً یوں کہتے ہیں:— اے فلاں ابن فلاں! قیامت کے دن ایسا خطاب نہ ہوگا بلکہ ہر انسان کو اس کی والدہ کی طرف

منسوب کرکے خطاب کیا جائے گا:۔ اے فلاں بن فلانہ!) یہ اس لیے کہ بندوں پر اللہ سبحانہ کی ستاری کا پردہ پڑا رہے (میدانِ محشر میں ماں باپ کی اولاد رسوا نہ ہو) سبحان اللہ کیا شان ستاری ہے۔ پل (صراط) کے پاس آئیں گے تو (وہاں تاریکی رہیگی) اللہ سبحانہ ہر مومن کو روشنی دیگا۔ اور ہر منافق کو بھی روشنی ملیگی (کیوں کہ یہ روشنی جیسا کہ آیۂ سابقہ کی تفسیر میں گزرا ایمان وعمل کی روشنی ہوگی۔ کلمہ ایمان مومن و منافق دونوں پڑھتے تھے اور اعمال صالحہ بھی دونوں فریق بجالاتے تھے۔ البتہ کافر اس سے محروم رہیں گے کیوں کہ ایمان وعمل میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا سورۂ مومنون میں ہے:۔ ان الذین لا یؤمنون بالآخرۃ عن الصراط لناکبون۔ آخرت پر جو ایمان نہیں رکھتے وہ صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں" پل (صراط) پر تو وہی قدم رکھ سکیں گے جنھوں نے دنیا میں صراطِ مستقیم کو اختیار کیا تھا۔ بہرحال کفار کا یہاں گزر نہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہیں سے وہ دوزخ میں ڈھکیل دیے جائیں گے۔ رہے منافقین اگرچہ یہ کافروں سے کم نہیں بلکہ اشد ہیں لیکن دکھانے سنانے کیلئے ہی سہی صراط مستقیم پر گامزن ہوئے تھے اس لئے ابتداءً ان کو بھی روشنی دی جائیگی،

جب منافقین پُل (صراط) پر چڑھ جائیں گے اللہ سبحانہ منافق مردوں اور عورتوں سب کی روشنی سلب فرمالے گا۔ (اس حالت میں ظاہر ہے کہ اہل ایمان اپنی روشنی قائم رہنے کی بدولت آگے نکل جائیں گے اور منافق تاریکی کے باعث پیچھے رہ جائیں گے) اب منافق چیخنا شروع کریں گے۔ یارو! ہمارا انتظار کرو۔ ذرا ہماری راہ دیکھو کہ ہم بھی آپ کی روشنی سے حصہ لیں یا اپنی قندیل سلگالیں۔ اور اہل ایمان یہ دعا کرتے ہوں گے کہ اے ہمارے پالنے والے! ہماری روشنی قائم رکھ ایسا نہ ہو کہ منافقین کی طرح روشنی عین وقت پر سلب ہو جائے۔ بہرحال وہ وقت ہو گا کہ کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا۔"

منافقین کے استہزاء کی سزا حضرت مقاتل رح فرماتے ہیں:—

قالت الملائكة لهم ارجعوا وراءكم فالتمسوا نورا من حيث جئتم هذا من الاستهزاء بهم استهزأوا بالمؤمنين في الدنيا حين قالوا آمنا وليسوا بمؤمنين فضرب بينهم بسور له باب يعني بالسور حائط بين اهل الجنة والنار باطنه يعني باطن السور فيه الرحمة مما يلي الجنة وظاهره من قبله العذاب

یعنی جھنّم وھوا لحجاب الّذی ضرب بین اھل الجنّۃ واھل النار
(بیہقی) اس وقت اُن سے فرشتے کہیں گے کہ تم جہاں سے آئے تھے اوسی طرف
پیچھے لوٹ جاؤ (یعنی جہاں نور تقسیم ہوا تھا۔ یا کہ دنیا کی طرف لوٹ جاؤ کہ
یہاں آج نور کے حاصل کرنے کا اصل مقام تو دنیا تھی۔ وہاں جاکر عمل کرو۔)
یہ دراصل اون کے استہزاء کا جواب ہوگا جو منافقین دنیا میں اہل ایمان کے
ساتھ کرتے تھے۔ وہاں وہ آمنّا کہتے مگر ایمان سے اون کو کچھ واسطہ نہ تھا
(جب وہ واپس پلٹ کر مایوس ہو کر دوبارہ وہاں آئیں گے) تو اوس وقت
تک اون کے اور ایمان والوں کے درمیان (اطراف سے) ایک دیوار
کھینچ دی جائے گی جس کا ایک ہی دروازہ ہوگا جس سے اہل ایمان جنت کی
طرف جاتے ہوں گے۔ اوس احاطۂ جنت کے اندر رحمت ہی رحمت ہوگی اور
اوس کے باہر عذاب ہی عذاب یعنی دوزخ ہوگی۔ یہ احاطہ اہل جنت اور اہل نار کے
درمیان حجاب ثابت ہوگا۔"

منافقین کی حیات دنیوی پر نظر

یہ حجاب دیکھ کر منافقین، اہل ایمان کو
پکار پکار کر کہیں گے یارو! کیا ہم تمھارے ساتھ نہ تھے پھر یہ بے رخی کیسی؟
مومنین جواب دیں گے کیوں نہیں۔ تم تھے تو ہمارے ساتھ لیکن۔ ابن عباس رضؓ

فرماتے ہیں:۔ ولکنکم فتنتم انفسکم قال بالشھوات واللذات وتربصتم بالتوبة وارتبتم ای شککتم فی اللہ وغرتکم الامانی حتی جاء امر اللہ قال الموت وغرکم باللہ الغرور قال الشیطان (بیہقی) تم نے اپنی جانوں کو مصیبت میں ڈالا کہ مدة العمر شہوات ولذات نفسانیہ میں گرفتار رہے (آج کے دن کے لیے کچھ نہ کیا) اور توبہ کا انتظار کرتے رہے (کہ اب توبہ کریں گے اور جب) اور اللہ سبحانہ کی ذات پاک میں تم کو شک تھا (یعنے اللہ ہے بھی یا نہیں) اور لمبی لمبی آرزوں نے تم کو دھوکے میں رکھا تا آں کہ تم کو موت آگئی۔ اور اللہ کے باب میں یہ سارا دھوکہ اور مغالطہ شیطان کا تھا۔"

عدل آخرت کا نمونہ قتادہؒ فرماتے ہیں:۔ فالیوم لا یوخذ منکم فدیة یعنی من المنافقین ولا من الذین کفروا۔ (عبد بن حمید) "سو آج تم منافقین سے کوئی فدیہ (عذاب سے چھڑانے کے لئے) نہیں لیا جائے گا اور نہ اُن سے جو منکر ہوئے۔" جہاں حقیقی انصاف ہوتا ہے ایسی عدالت کی یہی شان ہے

فقیر عرض کرتا ہے منافقین زبان سے کلمہ تو پڑھتے لیکن صرف دکھانا سنانا منظور تھا۔ دل سے قائل نہ تھے۔ لہو ولعب اور دنیا کے مزخرفات میں

پڑے ہوئے تھے۔ عبادت و ریاضت سے دور کا تعلق بھی نہ تھا۔ انتظار یہ کرتے تھے کہ کب حضور اکرم کو شکست ہو گی اور کب مسلمان تباہ ہو جائیں گے۔ شک میں تھے کہ دین اسلام سچا دین ہے یا کیا؟ آرزوؤں کا تو ایک سلسلہ تھا کبھی کہتے سیغفر لنا۔ ہم کو بخش دیا جائے گا۔ کبھی کہتے بھلا یہ مسلمان فتح یاب ہوتے ہیں ہم ان کو ایسی شکست دیں گے اور اس طرح مغلوب کر لیں گے۔ ایک جنگ سے واپس آتے ہوئے کہنے لگے۔ مسلمان شیخی بگھارتے ہیں۔ ذرا مدینہ آنے تو دو دیکھ لینا ان کو کیسا نکال پھینکیں گے' امداد بند کر دیں گے اور یہ ذلیل ہو کر خائب و خاسر لوٹیں گے۔ یہ سلسلہ تا دم مرگ قائم رہا۔ اب کہاں کی توبہ اور کہاں مغفرت۔ بلکہ ان کرتوتوں کے باعث ان کو توبہ کی توفیق کیونکر ہوتی وہ تو اپنی آرزوؤں کے پھندے میں گرفتار تھے۔ جو دراصل شیطان کا پھندا تھا۔ اب یہ منافق کچھ دے دلا کر عذاب سے چھوٹنا چاہتے ہیں مگر نہ ان سے کچھ لینے کے احکام ہیں اور نہ کافروں سے۔ فدیہ کی صورت بھی نہ رہی اب عذاب دوزخ کے سوا رکھا ہی کیا ہے۔ اس طرح تمام منافقین مرد اور عورتیں دوزخ میں جائیں گے اور وہی ان کا ٹھکانا ہو گا جو نہایت برا ٹھکانا ہو گا۔ عذاب آخرت سے چھوٹنے کے لئے اگر کچھ دینا ہے تو راہ خدا میں یہیں وہی داد و دہش کارآمد ہو گی۔

57-16 ۸۷ (۲۳۶۷)

اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ ۙ وَلَا یَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلُ فَطَالَ عَلَیۡہِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ ؕ وَکَثِیۡرٌ مِّنۡہُمۡ فٰسِقُوۡنَ ○

کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کو کہ گڑگڑائیں اُن کے دل اللہ کی یاد سے اور جو اُترا ہے سچا دین، اور نہ ہو دیں اُن جیسے جن کو کتاب ملی تھی اس سے پہلے پھر دراز گزری اُن پر مدت پھر سخت ہو گئے اُن کے دل اور بہت اُن میں نافرمان ہیں "

شانِ نزول

اعمش فرماتے ہیں:۔ لما قدم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ فاصابوا من لین العیش ما اصابوا بعد ما کان لھم من الجھد فکانھم فتروا عن بعض ما کانوا علیہ فعوتبوا (ابن المبارک، عبدالرزاق ابن المنذر) جب صحابہؓ کرام مدینہ آئے اور یہاں اسباب زندگی کی کچھ سہولتیں حاصل ہوئیں بمقابل اُن مشقتوں کے جو مکی زندگی میں حایل تھیں تو اون کی ریاضات شاقہ میں کچھ کمی رو نما ہوئی تو اس پر یہ عتاب فرمایا گیا "

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ۔ ان اللہ تعالیٰ استبطأ قلوب المھاجرین فعاتبھم علی رأس ثلاث عشرۃ سنۃ من نزول القرآن ۔ (ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) اللہ سبحانہ تعالیٰ کے نزدیک مہاجرین کے اصلاح قلوب میں دیری اندازہ ہوئی تو نزول قرآن کریم سے تیرھواں سال شروع ہونے پر یہ عتاب آیا۔"

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں جس کی مسلم، ابن ماجہ، نسائی، ابن المنذر، ابن مردویہ نے تخریج کی ہے چار سال کی مدت مذکور ہے۔ بہر حال جو بھی ہو اس آیہ کریمہ میں مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا کہ ذکر الٰہی اور قرآن کریم کی تاثیر سے مسلمانوں کے دل نرم پڑنا چاہیئے اور اون میں اطاعت و انقیاد کا جذبہ پیدا ہونا چاہیئے۔ اور دن بہ دن یہ شوق بڑھتا جانا چاہیئے نہ یہ کہ ابتدا میں جو جذبہ اور شوق تھا اوس میں کمی آجائے جیسا کہ ان سے پہلے جن اقوام کو کتاب دیگئی تھی اون کا حال بھی یہ تھا کہ جب تک اللہ کے پیغمبر اُن میں رہے طاعت و انقیاد کا ذوق بڑھتا چڑھتا رہا۔ جہاں وہ رخصت ہوئے اور کچھ زمانہ گزرا تو اس شوق و ذوق میں کمی آگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اون کی اکثریت حکم سے باہر ہوگئی زینہار! مسلمان ایسے نہ بنیں۔

حضرت ابن عمرؓ کا تاثر اس آیہ کریمہ سے یہ تھا کہ جب کبھی اس کی تلاوت فرماتے تو زار و قطار روتے اور عرض کرتے بلیٰ یا رب بلیٰ یا رب۔ (ابن المنذر) کیوں نہیں میرے پروردگار! کیوں نہیں میرے رب! (یعنی ذکر الٰہی اور قرآن کریم کی تاثیر سے مسلمانوں کے دل نرم پڑنے کا وقت بے شک آگیا)۔"

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ اما واللہ لقد استبطأھم وھم یقرأون من القرآن اقل مما تقرأون فانظروا من طول ما قرأتم وما ظھر فیکم من الفسق۔ آگاہ رہو خدا کی قسم ہے کہ صحابہؓ کرامؓ کے قلوب نرم پڑتے ہیں تو صرف دیری اندازہ ہوئی درحالیکہ وہ قرآن بہت کم پڑھتے تھے (یا تو اس وجہ سے کہ اون میں پڑھے لکھے کم تھے۔ یا یہ کہ اوائل اسلام میں قرآن کریم ہی کم نازل ہوا تھا) اور تم اون کے مقابلہ میں قرآن کریم بہت پڑھتے ہو پھر دیکھو کہ قرآن پڑھتے رہنے کے باوجود تمہارا فسق بڑھتا جاتا ہے"۔ سبب کیا کہ وہ ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن کریم خشوع کے ساتھ کرتے تھے اور وہ خشوع تم میں نہیں ہے۔

خشوع کی اہمیت شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں:۔ اول ما یرفع من الناس الخشوع۔ (عبد بن حمید، عبد الرزاق، ابن المنذر) سب سے پہلے جو چیز لوگوں کے

دلوں سے جاتی رہے گی وہ خشوع ہے"۔ حالاں کہ خشوع ہی وہ وصف ہے جس کے پیدا ہونے میں تاخیر ہونے پر صحابہ کرامؓ کو بطورِ خاص متوجہ کیا گیا تھا۔ اور اسی وصف کے موجود ہونے سے مومن اطاعت وانقیاد پر مائل ہوتا ہے۔ گویا اس سے تقویٰ کی راہ کھلتی ہے یہی سبب ہے کہ قرآن کریم میں جا بجا خاشعین کی تعریف فرمائی گئی اور ان کو طرح طرح سراہا گیا۔ جب خشوع ہی نہ رہے تو مومن کے مومن کامل بننے کی کیا توقع ہو سکتی ہے؟

ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:۔ خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی نفر من اصحابہ فی المسجد وھم یضحکون فسحب رداءہ محمرا وجھہ فقال اتضحکون ولم یأتکم امان من ربکم بانہ قد غفر لکم ولقد انزل علی فی ضحککم آیۃ اَلَمْ یَأْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ قالوا یا رسول اللہ فما کفارۃ ذلک قال تبکون قدر ما ضحکتم۔ (ابن مردویہ) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے پاس مسجد شریف میں برآمد ہوئے تو وہ اوس وقت ہنس رہے تھے۔ چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا اور آپ رداء مبارک کو کھینچتے ہوئے واپس ہونے لگے اور فرمایا تم ہنستے ہو درحالیکہ

اللہ سبحانہ کے پاس سے تمہارے لئے کوئی امان نہیں آیا کہ اوس نے تم سب کو بخش دیا ہے۔ مجھ پر تو تمہاری ہنسی کے بارے میں آیہ الم یأن' نازل ہوئی ہے۔ صحابہ رضی نے عرض کیا یارسول اللہ! پھر اس کا کفارہ کیا ہے؟ ارشاد مبارک ہوا کہ جس قدر ہنسا ہے اوسی قدر رو لو۔"

حضرت فضیل بن عیاض کی توبہ کا واقعہ

مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ اسی آیہ کریمہ کی بدولت حضرت فضیل بن عیاض اور مالک بن دینار تائب ہوئے۔ کہتے ہیں کہ اوائل عمری میں فضیل بن عیاض کو ڈاکہ زنی سے کام تھا جس سے راہ رو اور مسافر تنگ آ گئے تھے۔ ان کا علاقہ آتا تو خوف کے مارے قافلے ادھر ادھر چھپ جاتے۔ اسی سلسلہ میں ایک حسینہ کے عشق میں گرفتار ہو گئے۔ شب وصال آئی تو دیوار کے پیچھے سے ایک ہاتف غیبی کی آواز سنائی دی جو اس آیہ کریمہ کی تلاوت کر رہا تھا:— الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ۔ کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اون کے دل، اللہ کی یاد سے پسیج جائیں؟ یہ سنتے ہی آپ بے خود ہو گئے ایسا اثر ہوا کہ جو افعال پیش نظر تھے سب بھول گئے اور بے ساختہ بول اٹھے:— بلٰی واللہ قد آن بلٰی واللہ قد آن۔ کیوں نہیں، خدا کی قسم وہ وقت

آچکا۔ کیوں نہیں۔ قسم بخدا وہ وقت بے شک آچکا" اللھم انی تبت الیك وجعلت توبتی الیك جوار بیتك الحرام۔ الہٰی! میں نے اپنے تمام افعال سے توبہ کی اور میری توبہ بس یہی ہے کہ تیرے با عزت گھر پر پڑا رہوں گا" ؎

ترے ہی در پر پڑا رہوں گا پڑے ہی رہنے سے کام ہوگا
کبھی تو قسمت کھلیگی میری کبھی تو میرا سلام ہوگا

بہر حال آپ نے یہاں سے بیت اللہ شریف کی راہ لی۔ راستے میں مسافروں کے قافلے دیکھے کہ فضیل کے خوف سے چھپ رہے ہیں مگر یہ اب وہ فضیل نہ تھے جن سے لوگ ڈرتے تھے۔ ایسی توبۂ صادق کی کہ کبار اولیاء اللہ سے ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت مالک بن دینار کا واقعہ مالک بن دینار اپنا واقعہ خود یوں بتلاتے ہیں کہ محکمہ پولیس سے میرا تعلق تھا۔ شراب خواری کا دل دادہ۔ ایک حسین باندی خریدی تھی۔ جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کی عمر جیسی جیسی بڑھتی گئی میری محبت بھی اس سے زیادہ ہوتی رہی جب پاؤں چلنے کے قابل ہوئی اور میں اپنا شغل کرنا چاہتا تو بچی دوڑتی ہوئی آکر جام شراب کو

ٹھوکر لگا دیتی جس سے تمام کپڑے خراب ہو جاتے۔ ابھی وہ دو سال کی تھی کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ مجھے اس کا بے حد ملال تھا۔ اتنے میں شب برات آئی تو خواب دیکھا کہ قیامت قائم ہے قبور سے مردے نکل رہے ہیں۔ میں بھی اون میں شامل ہوں اور سیاہ ناگ میرے در پے ہے۔ میں اوس کے خوف سے دوڑتا پھرتا ہوں۔ قصہ مختصر مرحومہ بچی نظر پڑی اوس نے مجھے اپنے پاس بلا لیا اور میری گود میں بیٹھ گئی اور وہ یہی آیہ کریمہ پڑھ رہی ہے:۔ الم یان للذین آمنوا کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا؟ اس کے بعد گھبرا کر اٹھا اور توبہ کی اور کاملین سے ہوئے۔ علیہ الرحمۃ والرضوان۔

عزیزانِ من! خوابِ غفلت سے ہمارے چونکنے کا یہی وقت ہے مبادا کہ اسی حالت میں وقت آخر آ پہنچے۔ اُس حالت میں خجالت اور شرمندگی دامنگیر رہیگی۔ اور کوئی ساتھ نہ دے گا۔ لوگ بچوں کی موت پر روتے رہتے ہیں بچوں کے لیے کیا روتے ہیں؟ وہ تو پاک آئے اور پاک چلے گئے۔ رونا تو اپنا ہے کہ ہم بھی پاک آئے تھے اگر پاک زندگی بسر کرینگے اور گناہوں کی آلائش ساتھ لے کر جائیں گے تو یہ کیسے افسوس کی بات ہو گی کہ پاک آئیں اور ناپاک جائیں۔ اے اللہ ہمارے حال پر رحم فرما ہمارے

قلوب کو پاک فرما۔ آمین

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ جان رکھو کہ اللہ زندہ کرتا ہے زمین کو اُس کے مرجانے کے بعد، ہم نے کھول کر بیان کردیے تم کو پتے اگر تم کو سمجھ ہے "

احیاء ارض یعنی یہ خیال نہ کرنا کہ پیدا ہونے سے لیکر اب تک اتنی عمر تو گمراہی میں گزری اب آخر عمر میں توبہ کرلے اور راہ راست پر آنے سے کیا ہوگا۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ ایسا خیال بھی ایک وسوسۂ شیطانی ہے۔ توبہ و انابت کا کوئی وقت اور اوس کی کوئی فصل مقرر نہیں ہے۔ بہار شباب ہو یا بڑھاپے کی خزاں۔ رجوع الی اللہ کے لئے کسی چیز کی قید نہیں غفلت اور گمراہی ہر وقت چھوڑنے کے قابل ہے۔ اللہ سبحانہ کا فضل ڈھونڈنا چاہئے۔ کیا ہم دیکھتے نہیں ہیں کہ زمین پر ہر سال بہار و خزاں کا دورہ رہتا ہے۔ خزاں آتی ہے تو درختوں کے پھل پھول ختم بلکہ پتے بھی جھڑ پڑتے ہیں۔ برہنہ شاخیں نظر آتی رہتی ہیں۔ درخت نہ ہوا دیتے ہیں اور نہ سایہ۔ زمین کو دیکھو تو گھانس پات سب کچھ خشک اور صاف ہوکر

ایک چٹیل میدان دکھائی دیتی ہے۔ جہاں تک نظر کام کرتی ہے ھُو کا میدان معلوم ہوتا ہے۔ کہنے والے کہہ دیتے ہیں :۔ اَنّٰی یُحْیِیْ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا۔ اس سرزمین کے اس طرح لق و دق بیابان بن جانے کے بعد اللہ اس کو دوبارہ کب زندہ کرے گا؟ مگر آپ دیکھتے ہیں کہ چند روز گزرنے نہیں پاتے کہ ایک جھونکا بہار کی ہوا کا فضل الٰہی سے چلتا ہے اور ساری مردہ زمین آن کی آن میں پھر سے گلزار جنت کا نمونہ بن جاتی ہے۔

احیاءِ قلوب | یہی حال ارض قلب کے احیاء کا ہے۔ دل بھی اللہ سبحانہ کی ایک زمین سمجھو۔ اس پہ بھی خزاں و بہار کا دورہ ہوتا رہتا ہے۔ اگر ہم اس دل کو غفلت اور گمراہی میں لگائے رکھیں تو وہ شیطان کے پنجہ میں ہے وہ دشمن ازلی ایسے ایسے خطرات اور مہالک میں ڈال دے گا کہ نجات مشکل نظر آئے گی۔ اور اگر اس کو توبہ و انابت، ذکر و تلاوت میں مشغول رکھیں تو اس مردود ازلی کی کیا مجال ہے کہ کبھی پھٹک بھی سکے۔ دعوت دینے والے دراصل خود ہیں۔ خواہ شیطان کو اپنے ہاں بلالیں وہ سر پر سوار ہو جائے یا رحمٰن کی پناہ میں آجائیں، پھر ہر طرح محفوظ و مامون رہیں اب خواب بھی پڑتا ہے تو رحمانی۔ بہرحال توجہ اور خیال ہے میلان جس طرف ہوگا اسی سمت جائیں گے۔ کسی نے کیا خوب کہا :۔ ؎

بخیالے ز تو راضی بہ خوابے خوشنود		حاصل زندگیم خواب و خیالے دارد

جزیرۃ العرب کے ساکنین پر نظر کرو کہ کن گمراہیوں میں پھنسے ہوئے تھے اور کیسے خواب غفلت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ایک رحمانی ہوا چلی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے اور قرآن کریم کا نزول ہونے لگا۔ پھر کیا تھا۔ بچے، بڑے، جوان، بوڑھے عورت، مرد، غلام اور آزاد و خود مختار سبھی کشاں کشاں آپ کی رأفت و رحمت کے دامن میں پناہ لینے گئے۔ یدخلون فی دین اللہ افواجا کا منظر سامنے تھا۔ فضیل بن عیاض اور مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہما کے واقعات ابھی ابھی گوش گزار کیے گئے ہیں جن کی عمروں کا معتد بہ حصہ ناکردنی کاموں میں گزر چکا تھا۔ مگر جب توبۂ صادق کی تو کیا سے کیا ہو گئے۔ بس یہی ارشاد ہو رہا ہے:۔ جان رکھو کہ اللہ زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد اسی طرح تمہارے مردہ دلوں میں توفیق کی روح پھونک سکتا اور ان کو دوبارہ زندگی بخش سکتا ہے۔ تمہارے عقل وفہم اور احساس رکھنے والے دل ایک بے جان زمین سے کمتر تو نہیں ہو سکتے۔ مردہ زمین زندہ ہوتی ہے تو غافل دل کیوں چونک نہیں سکتا۔ اور بھٹکا ہوا مسافر کیوں راہ راست پر نہیں لگ سکتا۔ مایوسی اور نا امیدی کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر عقل ہے تو ایسا واضح نشان اور اس سے زیادہ کھلا ہوا بیان اور کیا

ہوسکتا ہے ۔ جلد توبہ کریں اور رجوع الی اللہ ہوجائیں اور سعادت دارین حاصل
کریں ۔ وباللہ التوفیق ۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا
یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ۝ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ
رُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ
لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ۝ یقیناً جو خیرات کرنے والے مرد ہیں
اور خیرات کرنے والی عورتیں، اور قرض دیتے ہیں اللہ کو اچھی طرح اُن کو ملتا
ہے دوگنا، اور اُن کو ثواب ہے عزت کا، اور جو لوگ یقین لائے اللہ اور
اُس کے سب رسولوں پر وہی ہیں سچے ایمان والے اور لوگوں کا احوال بتانے والے
اپنے رب کے پاس، اُن کے واسطے ہے اُن کا ثواب اور اُن کی روشنی، اور جو لوگ
منکر ہوئے اور جھٹلایا ہماری باتوں کو وہ ہیں دوزخ میں جانے والے"

مُصَّدِّقِیْنَ کی تفسیر اسی رکوع کے آغاز میں ارشاد ہوا تھا: — مَن
ذَا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا۔ کوئی ہے جو اللہ سبحانہ سے اچھے قرض کا
معاملہ کرے" اسی سلسلے میں ارشاد ہو رہا ہے: — اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ

وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔ بےشک وہ مرد اور عورتیں جنہوں نے راہ خدا میں خیرات کی اور اللہ سبحانہ سے اچھے قرض کا معاملہ کیا اون کو دونا ملیگا۔ اور اون کے لئے باعزت ثواب ہے۔"

"قرض حسن" کی صراحت اگلی آیۃ کریمہ کی تفسیر میں آچکی ہے۔ دونے سے مراد صرف ایک کے دو نہیں بلکہ ایک کے عوض دس سے لے کر سات سو بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ ملیں گے۔ یہ اضافہ باعتبار کمیت و مقدار کے ہوگا۔ اور ولھم اجر کریم۔ نیز اون کے لئے باعزت ثواب ہے۔" اور یہ باعتبار کیف کے ہے۔ یعنی قرض حسن دینے والوں کو جو اجر ملیگا وہ کم و کیف ہر اعتبار سے اوس سے کہیں زیادہ ہوگا جو اونھوں نے دنیا میں دیا تھا۔ اس تصدق میں زکاۃ فرض اور نفل خیرات دونوں داخل ہیں۔ مبارک ہیں وہ اصحاب جو دونوں طریقوں سے اس میں حصہ لیتے اور ذخیرۂ خیر آخرت جمع کرتے ہیں اور بڑی حسرت اون کو ہوگی کہ اللہ سبحانہ کی طرف سے سب کچھ ملنے پر بھی اس میں حصہ نہ لیا اور اون کا اندوختہ اون کے حق میں وبال جان بن گیا۔ بہرحال آیۂ کریمہ بظاہر کچھ نہ کچھ اپنے پاس رکھنے والوں سے متعلق معلوم ہوتی ہے۔

ناداروں کی تسلی خاطر رہے تہی دست، جن کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں

یہاں اون کو آرزو دامنگیر ہوتی ہوگی کہ اگر کچھ ہوتا تو وہ بھی سابق الذکر
احباب کی طرح راہ خدا میں خرچ کرتے اور اپنے حوصلے پورے کرتے۔ اونکی تسلی
خاطر اس طرح فرمائی جا رہی ہے:۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ
اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَاۗءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ
اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۔ اور جو ایمان لائے اللہ پر اور اوس کے
تمام رسولوں پر وہی ہیں سچے ایمان والے، لوگوں کا احوال بتلانے والے
اپنے رب کے پاس، اون کے واسطے ہے اون کا ثواب، اور اون کی روشنی۔
یہ دو قسم کے ہوسکتے ہیں۔ ایک وہ کہ جو کچھ میسر ہے وہ اون کو بمشکل کافی
ہوتا ہے اگر کسی کو دے نہیں سکتے تو کسی سے مانگتے بھی نہیں۔ دوسرے
اتنے نادار کہ مصّدقین اور مصّدقات کی داد و دہش ان تک پہنچتی ہے۔
ان دونوں گروہ کو دلگیر نہ ہونا چاہیے قیامت ہوگی تو اغنیاء مال و دولت کے
حساب کتاب میں رہیں گے حساب صاف بھی ہوگا تو اوس سے فارغ ہونے تک
حسب مراتب دو ہزار برس لگ جائیں گے۔ اور فقراء اس حساب و کتاب سے
بے نیاز ہونے کی بدولت کبھی کے جنت میں، خداوند تعالیٰ شانہ کے حضور میں
ہوں گے۔ داد و دہش کرنے والوں سے ایک گروہ کو تو سابقہ ہی نہ تھا دوسرا

گروہ اون کا چرچا سنتا تھا۔ یہ دونوں اُن اغنیا کے احوال بتاتے اُن کی تصدیق کرتے ہوں گے اور ان کی تصدیق و شہادت پر ہی اغنیا کی نجات ہوگی۔ یہ ہے مرتبۂ صدیقیت اور شہداء کا ایک نمونہ کہ اغنیاء اون کی تصدیق اور شہادت پر بخشے جا رہے ہیں اور اون کو المضاعف اجر اور باعزت ثواب مل رہا ہے تو خود تصدیق کرنے والوں اور شہادت دینے والوں (صدیقین اور شہداء) کی کیا شان ہوگی؟ اس کا اندازہ کر لیجئے۔ ان فقراء کے پاس کیا تھا؟ ایمان اور فقر۔ فقر کا اجر مل رہا ہے اور ایمان کا نور۔ بس اسی میں اُن کا بیڑا پار ہو رہا ہے۔ آج اغنیاء تک ان کے محتاج ہیں لیکن یہ اپنے رب کریم کے سوا کسی کے محتاج نہیں: ؎

طمع فاتحہ از خلق نداریم نیاز عشق من از پس من فاتحہ خوانم باقی ست

حدیث ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن فرمانے لگے: ـ کُلُّکم صدیق و شہید۔ تم سب کے سب صدیقین اور شہداء ہیں۔" لوگوں نے کہا: ـ ما تقول یا اباھریرۃ۔ ابوہریرہ رضؓ! آپ یہ کیا فرما رہے ہیں؟ تو آپ نے یہ آیۃ کریمہ تلاوت فرمائی: ـ والذین آمنوا باللہ ورسلہ اولٰئک ھم الصدیقون

والشھداء عند ربھم۔ (ابن ابی حاتم) جن لوگوں کو اللہ اور اوس کے رسولوں پر یقین کامل ہے وہی اپنے پروردگار کے ہاں صدیقین اور شہداء ہیں"۔ مجاہدؒ عمرو بن میمون اور ضحاکؒ وغیرہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

ابو الدرداءؓ کی حدیث مرفوع حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

من فرّ بدینہ من ارض الی ارض مخافۃ الفتنۃ علی نفسہ ودینہ کتب عند اللہ صدیقاً فاذا مات قبضہ اللہ شہیدا وتلا ھذہ الآیۃ .... ثم قال والفارّون بدینہم من ارض الی ارض یوم القیامۃ مع عیسی بن مریم فی درجتہ فی الجنۃ۔

(ابن مردویہ) - جو شخص اپنے دین کو لئے ہوئے ایک سرزمین سے دوسری سرزمین کی طرف بھاگے اس اندیشے سے کہ اس کی جان اور دین کو کوئی آفت نہ پہنچ جائے۔ اللہ سبحانہ کے پاس اوس کا نام صدیقین میں لکھا جاتا ہے اور جب وہ مرتا ہے تو اوس کی روح شہیدوں میں قبض کی جاتی ہے پھر اس کی تائید میں آپ نے یہ آیۃ کریمہ تلاوت فرمائی:- والذین آمنوا باللہ ورسلہ پھر فرمایا جو لوگ اپنے دین کو ایک سرزمین سے دوسری سرزمین کی طرف

لے بھاگتے ہیں وہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ بن مریم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ جنت میں اون کے ہم درجہ رہیں گے۔"

حدیث ابوہریرہ رضی کا مطلب حضرت ابوہریرہ رضی کی روایت جو اوپر گزری اوس کا مطلب بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جن احباب میں آپ نے وہ تقریر فرمائی تھی وہ جماعتِ مہاجرین ہوگی جو محض حفاظت دین اور جان کی خاطر اپنے وطن مالوف کو خیرباد کہا ہوگا۔ یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مسلمان کو اپنا دین اتنا عزیز ہو کہ اوس کی حفاظت کی خاطر اوس کو اپنے وطن، گھر بار، عزیز و اقارب تعلقات اور کاروبار معیشت وغیرہ کسی کی پرواہ نہ ہو۔ دین کی خاطر ان سب کو چھوڑنے پر آمادہ ہو۔ اگرچہ چھوڑنے کی نوبت نہ آئے۔ اس کی تائید میں روایات ذیل ہیں جن میں ترک وطن کا ذکر نہیں ہے :۔

حدیث براء رضی و ابن مسعود رضی حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا :۔ مؤمنوا امتی شھداء ثم تلا والذین آمنوا باللہ ورسلہ ۔ (ابن جریر)

میری امت کے مومنین سب کے سب شہداء ہیں۔ پھر اس کے ثبوت میں آپ نے آیۂ کریمہ والذین آمنو باللہ ورسلہ تلاوت فرمائی۔" اسی طرح

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ۔ ان الرجل لیموت علی فراشه وهو شهید ثم تلا والذین آمنوا بالله ورسله (ابن المنذر) ایک شخص اپنے بستر ہی پر مرتا ہے درحالیکہ وہ شہید شمار کیا جاتا ہے پھر آپ نے وہی آیہ کریمہ تلاوت فرمائی "یعنی وہ حقیقۃً شہید نہ ہو تو بھی اوس کو درجۂ شہادت دیا جاتا ہے ۔ یا یہ کہ وہ دوسروں کا احوال بتاتا ہوگا ۔ واللہ اعلم ۔

حدیث عمرو بن میمونؓ حضرت عمرو بن میمون جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ۔ جاء رجل للنبی صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله أرأیت ان شهدت ان لا اله الا الله وانك رسول الله وصلّیت الصلوات الخمس وادّیت الزکاة وصمت رمضان وقمته فممّن انا قال من الصدّیقین والشهداء (ابن حبان) ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر عرض کیا: ۔ یا رسول اللہ! اگر میں اللہ سبحانہ کی توحید اور آپ کی رسالت کی شہادت دوں، اور پانچوں نمازیں پڑھا کروں، زکاۃ ادا کرتا رہوں، اور رمضان بھر روزے رکھا کروں اور قیام اللیل کیا کروں تو

فرمائیے کہ میرا شمار کن لوگوں میں ہوگا؟ تو حضورِ انور نے ارشاد فرمایا کہ صدیقین اور شہداء میں"

عرضِ فقیر اس آیہ کریمہ اور احادیث شریفہ سابق الذکر میں مومنین کو "صدیقین و شہداء" فرمایا گیا ہے جو مومن کے لئے صفت کمال ہے۔ اور ایسی صفت کا اقتضا یہ ہے کہ ایمان بھی کامل ہو۔ معنی یہ ہوئے کہ مومنین کاملین کا شمار حق سبحانہ تعالیٰ کے پاس صدیقین و شہداء میں ہے۔ جیسا کہ تقریر بالا اور حضرت ابوالدرداءؓ کی حدیث سے معلوم ہوا۔ نہ کہ عام مومنین جو لذات اور شہوات میں منہمک اور طاعات و عبادات سے تک دور ہیں۔ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:۔ ما لکم اذا رأیتم الرجل یخرق اعراض الناس ان لا تعیبوا علیہ قالوا نخاف لسانہ قال ذلک احری ان لا تکونوا شہداء۔ "تمہیں کیا ہوگیا کہ کسی کو دیکھتے ہو کہ لوگوں کی آبرو کو بٹہ لگا رہا ہے تو تم اوس کی گرفت نہیں کرتے؟ تو لوگوں نے کہا کہ ہم اوس کی زبان درازی سے ڈرتے ہیں (کہیں ہم کو لتھاڑنا نہ شروع کرے) تو فرمایا پھر اس صورت میں تم شہداء کی صفت سے موصوف نہ ہوسکو گے"۔ مطلب یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مومن کا فریضہ ہے اسی سے اوس کو شہداء اللہ کے زمرہ میں جگہ دیجاتی ہے اگر اسی کو ترک کر دیا تو

کس منہ سے شہداء اللہ کہلاؤ گے؟ حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے:۔
اللعانون لایکونون شھداء لعنت کو پیشہ بنا لینے والے شہداء اللہ میں شمار نہیں ہو سکتے۔"

ضحاکؒ فرماتے ہیں:۔ یہ آیہ کریمہ ان آٹھ سابقین الی الاسلام کی شان میں نازل ہوئی جو سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے:۔ سیدنا علی، صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی، حضرت حمزہ وطلحہ و زبیر و سعد و زید، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔" یعنی یہ حضرات گرامی تو صدیقین و شہداء مسلمہ طور پر ہیں۔ آیندہ لوگ ان کے نقش قدم پر چل کر اپنے آپ کو اوس زمرہ میں شامل کرنے کی سعی کر سکتے ہیں کہ صدیقیت اور شہادت کا دروازہ قیامت تک کھلا ہوا ہے،
یہ تو مومنین صالحین کے احوال تھے۔ اب منکرین اور مکذبین کا حال بھی سن لیجیے
ارشاد ہے:۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ۔ اور جن لوگوں نے انکار کیا اور ہماری قدرت کی نشانیوں کو جھٹلاتے رہے وہ دوزخ میں جانے والے ہیں۔" ظاہر ہے کہ یہ گروہ پہلے گروہ کی ضد ہے اور ان کا حال، اگلے لوگوں کے احوال کے بالکل برعکس۔ وہ خدا و رسول کا اقرار کرنے والے مومنین تھے۔ یہ انکار کرنے والے کفار ہیں۔ وہ شہادت دینے والے

مصدقین تھے اور یہ اوس سے گریز کرنے والے مکذبین، تو ان کے نتائج اخروی
میں بھی وہی فرق نمایاں رہیگا جیسا کہ حیات دنیا میں تھا۔ اون کو اپنے اعمالِ
صالحہ کا اجر ملا اور ایمان کی روشنی حاصل ہوئی۔ اور یہ بدکاری میں مبتلا
اندھیری میں ٹھوکریں کھانے والے، وہ جنت میں قربِ الٰہی حاصل کرنے والے،
اور یہ اوس کی رحمت سے دور دوزخ میں پڑے ہوں گے۔ اللھم احفظنا آمین۔
اس تمہید کے بعد کس دلکش انداز میں خطاب فرمایا جا رہا ہے اوس کو
گوشِ حق نیوش سے سننا چاہیے:—

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ
بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ
نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ۭ وَفِي
الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ
وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ (الحدید ۵۷ - ۲۰) جان رکھو کہ دنیا کی زندگی
یہی ہے کھیل اور تماشا اور آرائش، اور بڑائیاں کرنی آپس میں اور بہتات
ڈھونڈنی مال کی اور اولاد کی، جیسے حال ہے مینہ کا کہ پسند آیا کھیتی کرنے
والوں کو اُس کا سبزہ، پھر زور پر آتا ہے، پھر تو دیکھے زرد ہو گیا، پھر ہو جاتا ہے

روندا ہوا گھانس، اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور معافی بھی اللہ سے

اور رضامندی، اور دنیا کی زندگی تو یہی ہے پونجی دغا کی "

"لعب" کی تفسیر مومنین اور مکذبین، ہر دو فریق کی حیاتِ اخروی کے احوال بیان کرنیکے بعد، اس حیات دنیا کا حال بیان ہو رہا ہے اور اوس کی حقیقت، اہل دنیا پر واضح فرمائی جا رہی ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ یقین جانو! یہ ابتدائی زندگی جو اخروی زندگی سے پیشتر تم کو دی گئی ہے اس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ وہ کھیل ہے یعنی عمل باطل، جس میں انسان اپنے آپ کو مشقت میں ڈال کر تھکا لیتا ہے اور باوجود اس کے اوس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ یہ تو ہوا لعب ایسے کام صرف نادان بچے کیا کرتے ہیں۔ مگر موجودہ حالات پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ سارا زمانہ کھیل کود میں لگا ہوا ہے۔ کتنے ایسے کھیل ہیں جو روزانہ کھیلے جاتے ہیں۔ بچے، جوان، بوڑھے، عورت، مرد سبھی اس میں شریک ہیں۔

موجودہ مدارس پر ایک نظر مدارس میں خصوصاً کھیل و ناچ و رنگ کی تعلیم دینے کے لئے سینکڑوں افراد مامور ہیں۔ اور روپیہ ہے کہ بے دریغ اس پر خرچ ہو رہا ہے۔ روپیہ تو رہا ایک طرف، شریف گھرانے کی لڑکیاں، مدرسے کی طالبات بن کر ان کھیل کود، ڈراموں میں حصہ لے کر اپنی اور اپنے خاندان کی عزت و

ناموس کو بٹہ لگا رہی ہیں۔ بے حیائی کا یہ عالم ہے کہ ان ناچنے گانے والی، اور ناٹک کرنے والی لڑکیوں کے ماں باپ خود سامنے رہ کر ان حیا سوز مناظر کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ مبارک باد دینے والے عیش پرستوں سے کلمات تحسین سن کر باغ باغ ہیں کہ اون کی نور نظر نے اسٹیج پر آکر خوب تھرکا۔ خوب ناچا گایا۔ اپنی جوانی و عریانی کے ایسے دل فریب مناظر پیش کئے کہ ڈومنیوں اور طوائف کو بھی نچا دکھایا۔ آہ ثم آہ۔ سچ ہے۔ ان اللّٰہ لا یغیّر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم۔ ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

"لھو" کی تفسیر دوسرا درجہ "لھو" کا ہے۔ یعنی اہم کام کو چھوڑ کر غیر اہم کام میں لگے رہنا۔ مومن کی نظر تو ہر کام میں آخرت پر لگی رہنی چاہیئے کہ دنیا کا بھی جو کام کرے اوس میں آخرت کا پہلو پیش نظر ہو۔ اسی وجہ سے حدیث شریف میں آیا کہ مومن کے جملہ لہویات، لغو اور باطل ہیں سوائے تین چیزوں کے: ـــ

(۱) گھوڑ دوڑ اور مسابقت (۲) نشانہ اندازی اور (۳) اپنی بی بی کے ساتھ میل ملاپ کی تنیا۔ اگرچہ یہ بھی ایک حیثیت سے لہویات ہیں مگر اس میں افادیت کا پہلو بھی ہے کہ

اول الذکر دو کام تو جہاد فی سبیل اللہ میں کار آمد ہیں۔ امر آخر بھی اولاد صالح کی جستجو ہے جو سب سے زیادہ مفید اور کار آمد ہے۔ مگر موجودہ حالات کا مشاہدہ کیجیے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو گویا آخرت سے کچھ کام ہی نہیں ہے۔ لہویات ولغویات اس درجہ بڑھ گئے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ ؎

بازیچہ ایست طفل فریب این متاع دہر　　بے عقل مردماں کہ بدو مبتلا شوند

"زینۃ" کی تفسیر

تیسرا درجہ "زینت" جو صنف نازک کے ساتھ مخصوص ہے مگر جس کو دیکھیے زیبایش و آرایش میں لگا ہوا ہے۔ فیشن کی پابندی اس کے سوا ہے۔ روزانہ اصلاح بنوانا۔ بلالحاظ اس کے کہ وہ حدود شرع شریف کے اندر بھی ہے یا نہیں؟ دن میں کئی بار کنگھی کرنا۔ ان دنوں تو یہ حال ہے کہ کنگھی جیب میں رکھی رہتی ہے جب خیال آیا اوس کا استعمال کیا گیا (حالاں کہ سنت تو یہ ہے کہ ایک دن آڑھ کنگھی کیا کریں۔ البتہ ایسا اہتمام مسواک کا ہونا چاہیے تھا مگر مسواک تو شاید گھر میں بھی موجود نہ ہو)۔ روزانہ سر میں تیل ڈالنا، صابن سے دن میں کئی دفعہ منہ دھونا۔ جوتے کی پالش، بے ضرورت عینک کا استعمال، ریشمی کمربند، ٹخنہ سے نیچے پاجامہ پہننا۔ (حالاں کہ حدیث شریف میں اس پر وعید آئی ہے کہ اتنا حصہ دوزخ میں ہوگا۔ اور ایسے شخص کی طرف

اللہ سبحانہ تعالیٰ کی نظر رحمت نہ ہوگی) بے ضرورت انگوٹھیاں ہیں خوبصورت سے خوب صورت بٹن ہیں، بے ضرورت نازک گھڑیاں ہاتھ پر بندھی جارہی ہیں، پاؤڈر لگایا جارہا ہے۔ کہاں تک اسباب آرائش و زیبائش کا شمار کیا جائے پان، سگریٹ، چائے و ہوٹل، سینما پر کتنا روپیہ صرف ہو رہا ہے اس کا اندازہ کیجئے۔ ایک طرف فضولیات کی یہ افراط، اور دوسری جانب مستحقین کی محرومی، ایسے لوگ دنیا کی نظر میں خود کو بن سنوار کر پیش کرنا چاہتے ہیں مگر یہ یاد رکھیں کہ دنیا اون کا ساتھ نہ دیگی اور نہ آپ عمر بھر اس وضع داری کو قائم رکھ سکیں گے اگر قائم رکھا بھی تو کچھ فائدہ نہ پہنچیگا۔ ؎

جہاں اے پسر ملک جاوید نیست ز دنیا وفادار امید نیست

"تفاخر" کی تفسیر چوتھا درجہ تفاخر بینکم کا ہے کہ اپنے ہی ابنائے جنس پر خود فخر جتانا، اور خود کو دوسروں سے بڑھا چڑھا کر بتانا۔ خواہ یہ تفاخر نسب یا خاندان کی بنا پر ہو۔ یا مال و دولت، عہدہ و حکومت کی بنیاد پر، یا کسی فن یا ہنر اور پیشہ وغیرہ کے اعتبار سے کہ یہ تمام امور ذات انسان سے خارج ہیں، ایسی بیرونی چیزوں پر فخر و مباہات دانشمندی کے خلاف ہے۔ انسان کی فضیلت، علم و ادب، اخلاق فاضلہ، تقویٰ، دینداری، خدا ترسی کی

بناپر ہے جو انسان کے اندرونی اوصاف ہیں۔ ظاہر ہے کہ جن میں یہ اوصاف ہوں گے اون سے تواضع و انکسار پیدا ہوگا اور عنداللہ و عندالناس اعتبار بڑھے گا نہ کہ تفاخر و استکبار یا غرور و انانیت ان اوصاف سے پیدا ہوں گے جن کا نتیجہ ذلت و خواری کے سوا اور کچھ نہیں۔ اگر کوئی کمال دنیوی یا اخروی حاصل ہے تو اللہ سبحانہ کا شکر ادا کریں۔ اور اپنے بنی نوع کو اوس کی تعلیم دیں۔ یہ نہیں کہ اپنے ہی جیسے لوگوں پر بڑائی جتائی جائے۔ سعدیؒ فرماتے ہیں۔ ؎

مرا پیر دانائے فرخ شہاب دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آں کہ بر خویش خود بیں مباش دوم آں کہ بر غیر بد بیں مباش

فخر و غرور، کبر و نخوت، اعجاب نفس و خود پسندی اور اس کے مقابل دوسروں کی تنقیص، تحقیر، بلکہ تذلیل، یہ نہایت مذموم صفات ہیں جن کی قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں مذمت وارد ہوئی ہے مومن کے لئے سزاوار نہیں۔

"تکاثر" کی تفسیر پانچواں اور چھٹا درجہ تکاثر فی الاموال والاولاد کا ہے کہ مال و اولاد نہ ہو تو دنیادار رات دن کے چوبیس گھنٹے مال اور اولاد کی فکر میں گزار دیتا ہے۔ اگر حاصل ہے تو اون کی کثرت کا طلبگار رہتا ہے اگر کثرت و فراوانی بھی نصیب ہوگئی تو دوسروں پر فخر

جتانے لگتا ہے۔ یہ نہیں جانتا کہ یہی اموال اور اولاد کبھی انسان کے لئے مصیبت بن جاتی ہے۔ دولت کے حصول اور اولاد کی خاطر وہ اپنی جان پر کیا کیا آفتیں مول لیتا ہے۔ جائز و ناجائز حلال و حرام کی تمیز تک نہیں کرنے پاتا۔ اس اُدھیڑ بن میں وہ کیسے کیسے شرمناک جرائم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ آخر کار وہی مال و دولت اوس کے لئے وبال جان بن جاتی ہے اور یہی اولاد اوس کی دشمن جانی ثابت ہوتی ہے۔ کیا انسان نہیں جانتا انّما اموالکم واولادکم فتنۃ۔ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد کٹھن آزمائش و امتحان کا سبب ہے۔" اور انّ من ازواجکم واولادکم عدوّالکم۔ تمہاری بعض بی بیاں اور تمہاری بعض اولاد ہی تمہاری دشمن ہے۔" یہ ہے حیات دنیا جس میں دنیادار لگے رہتے اور آخرت سے غافل ہو جاتے ہیں۔ بی بی اور بچوں کا یہ حال ہے تو دوسروں سے کیا توقع؟ اگر یہ تفاخر اور تکاثر اہل اللہ کے مقابلہ میں ہو تو نہایت شرمناک اور حد درجہ ضرر رساں معاذاللہ

حضرت مولائے کائنات کی نصیحت

حضرت مولائے کائنات نے عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا: لا تحزن علی الدنیا فانّ الدنیا ستّۃ اشیاء مطعوم ومشروب وملبوس ومشموم

ومرکوب ومنکوح فاکبر طعامها العسل وھو ریقۃ ذبابۃ واکبر شرابھا الماء ویستوی فیہ جمیع الحیوان واکبر الملبوس الدیباج وھو نسج دودۃ واکبر المشموم المسك وھو دم ظبیۃ واکبر مرکوب الفرس وعلیھا یقتل الرجال واکبر المنکوح النساء وھو مبال فی مبال۔

(عمار!) دنیا ہاتھ نہ آنے پر غم نہ کھاؤ کہ دنیا کا خلاصہ یہ قدرتی چھے چیزیں ہیں کھانا، پینا، پہننا، سونگھنا، سواری اور جوڑا۔ بڑے سے بڑا کھانا شہد ہے وہ مکھی کا لعاب دہن ہے۔ اور بڑی سے بڑی پینے کی چیز پانی ہے جس میں تمام جانور بھی تمھارے ساتھ شریک ہیں۔ بہتر سے بہتر لباس ریشم ہے ایک کیڑے کا فضلہ، سونگھنے کی بہترین چیز مشک ہے وہ ہرن کا غلیظ خون، اور بہترین سواری گھوڑا ہے۔ اسی پر لوگ قتل کئے جاتے ہیں۔ اور بہترین جوڑا عورت ہے جس کے لطف کا خلاصہ یہ کہ پیشاب کی دو نالیوں کا سنگم ۔"

دنیا حدیث نبوی کی روشنی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

مالی وللدنیا انما مثلی ومثل الدنیا کمثل راکب قام فی ظل شجرۃ فی یوم صائف ثم راح وترکھا۔ مجھے دنیا سے کیا تعلق؟ میری اور دنیا کی مثال اوس مسافر سوار کی سی ہے جو گرما کی سخت دھوپ میں آکر کسی درخت کے سایہ میں

ٹھہر گیا۔ پھر (تمازت کم ہوئی تو) اوس کو چھوڑ کر روانہ ہو گیا۔" سبحان اللہ! کیا ہی اچھی مثال ہے کہ انسان جو دنیا میں آیا ہے اوس کا تعلق اگر دنیا سے ہے تو بس اسی قدر ہے۔ اگر کوئی شخص مسافر خانے ہی کو اپنا وطن تصور کر کے اوس کی تعمیر و تزئین آرائش و زیبائش میں لگا رہے تو یقیناً اپنے مقصد سفر کو فراموش کر دیا ہے۔ اور اس حالت میں جب وہ وطن کو واپس ہو گا تو ظاہر ہے کہ خالی ہاتھ ہو گا۔

جہاں اے برادر نماند بہ کس　　دل اندر جہاں آفریں بند و بس

دنیا قرآن کریم کی روشنی میں قرآن کریم کی تعلیمات بھی یہی ہیں کہ انسان پیدا ہوا تو وہ بالکل نادان تھا۔ بڑا ہوا چلنے پھرنے لگا کھیل کود میں مشغول ہوا۔ روزانہ اس میں خود کو تھکاتا رہا لیکن بے نتیجہ۔ کچھ اور بڑا ہوا تو اہم کام چھوڑ کر معمولی کاروبار میں تضیع اوقات کرتا رہا۔ جوان ہوا تو اچھا کھانے اور اچھا پہننے کی دھن رہی۔ فیشن پرستی اور زیب و زینت میں لگ گیا۔ اور ذرا بڑھا تو دولت کمائی نکاح کیا صاحب اولاد ہوا۔ اب ایک دوسرے پر فخر جتاتا اور شیخی بگھارتا رہا۔ عقل پختہ ہوئی تو مال و دولت کی خواہش اور بی بی بچوں کے لئے رکھ چھوڑنے کی فکر دامنگیر ہوئی۔ بس ان ہی افکار میں الجھا ہوا رہ کر یہاں سے رخصت ہو گیا اور سارا جتن جھول کا توں رہ گیا۔

دنیا بزرگانِ دین کی نظر میں بزرگانِ دین اسی لئے فرماتے ہیں :۔
لعب کلعب الصبیان، وزینۃ کزینۃ النسوان، وتفاخر کتفاخر الاقران، وتکاثر کتکاثر الدھقان۔ بچوں کا سا کھیل، عورتوں کی سی زینت، ساتھیوں کا سا تفاخر اور کسانوں کی سی حرص "۔ ذرا سوچو کہ عقلمند انسان کے لئے یہ کہاں تک زیبا ہے۔ کیا اسی کا نام دانائی ہے۔ کیونکہ مومن کی صفت حدیث شریف میں یوں بیان ہوئی ہے :۔ المومن کیّس مومن صاحب کیاست ہوتا ہے "۔ کیاست کیا ہے؟ من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت۔ جو اپنے نفس کو ذلیل کرے اور وہ کام کرے جو بعد مرنے کام آئے

حیاتِ دنیا کی مثال کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطٰمًا ۔ (اس حیاتِ دنیا کی مثال) برسات کی سی ہے (کہ پانی برستا ہے اور بارش ہوتی ہے تو) کسانوں کو اوسکی سرسبزی پسند آئی (دیکھ دیکھ کر خوش ہونے لگے) پھر وہ کاشت زور پر آئی۔ پھر دیکھنے کو زرد پڑگئی پھر خشک ہوکر روندے ہوئے گھانس کی طرح ہوجاتی ہے "۔ یعنی ریزہ ریزہ پارہ پارہ ہوجاتی ہے۔ یہ حال کھیتی کا ہوا جو انسان کی حیاتِ دنیا سے پوری طرح مشابہت رکھتا ہے۔

حیات دنیا کا انجام وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانٌ ط اور آخرت میں (دو حال سے خالی نہیں۔ اگر دنیا کی لذتوں اور خواہشات میں الجھ کر حیات آخرت سے غافل رہے یا آخرت کے سرے سے منکر رہے تو ایسے افراد ظاہر ہے کہ) سخت عذاب میں گرفتار ہونگے (اور آخرت کے انکار کی صورت میں تو اس عذاب شدید سے چھٹکارا نک نہ ملیگا اور اگر انسان حیات آخرت کی تصدیق کرنے والا تھا اور باایں ہمہ لذات و خواہشات میں منہمک رہا تو خواہ بقدر انہماک و غفلت سزا پاکر) منجانب اللہ بخش دیا جائیگا (یا وہ انسان یہاں یاد الہٰی اور طاعت الہٰی میں لگا رہا تو اوس کی نہ صرف مغفرت ہوگی بلکہ اوس کو رضائے الہٰی بھی حاصل ہوگی۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ اللہ سبحانہ اُن سے راضی اور وہ اللہ سبحانہ سے خوشنود۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں:- صار الناس الیٰ ھٰذین الحرفین فی الآخرۃ۔ (عبد بن حمید ابن المنذر) لوگ آخرت میں ان دو قسموں میں بٹ جائیں گے۔"

حیات دنیا ایک دھوکہ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ اور نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر دغا باز کا فریب۔" یعنی دنیا اور زاد اس کا

اسباب تو یہیں جوں کا توں دھرا رہا کچھ بھی ساتھ نہ آیا۔ آخرت میں جس کا اعتبار ہے وہ انسان کا صرف ایمان اور عمل ہے، اگر ایمان وعمل ساتھ نہیں ہے تو عذاب شدید اور اگر دولت ایمان وعمل میسر ہے تو مغفرت ورضوان۔ جس کی جزاء ہاں ملیگی۔ اور یہ لہو لعب، زینت وتفاخر اور تکاثر اموال واولاد سب کچھ ایک فریب اور دھوکہ ثابت ہوا اسی لئے انسان کو ضرور ہے کہ یہاں چوکس رہے۔ غفلت میں نہ گزارے۔

حیات دنیا کے دو پہلو سعیدؒ بن جبیر فرماتے ہیں:۔ الدنیا متاع الغرور ان الھتك عن طلب الآخرة فاما اذا دعتك الی طلب رضوان اللہ تعالی وطلب الآخرة فنعم المتاع ونعم الوسیلة۔ (روح المعانی)

دنیا دھوکہ کی ٹٹی ہے جب کہ وہ تم کو آخرت کی طلب سے غافل کردے۔ اور اگر وہ تم کو اللہ سبحانہ تعالیٰ کی خوشنودی اور طلب آخرت کی دعوت دے رہی ہو تو دنیا بہترین سرمایہ اور آخرت کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔" فقیر عرض کرتا ہے۔ قرآن کریم میں حیات دنیا کو متاع الغرور جو ٹھہرایا گیا ہے وہ اکثر اور اغلب کے اعتبار سے ہے کہ اکثر لوگ اس کے حصول کے پیچھے پڑکر آخرت سے غافل ہو رہے ہیں۔ اس لئے وہ ان کے حق میں دھوکہ کی ٹٹی ہے۔ رہے وہ

نفوس قدسیہ جو دنیا میں رہتے بستے ہوئے آخرت کو ہاتھ سے نہیں دیتے تو ان کے حق میں بقول ابن جبیرؒ بہترین سرمایہ اور بہترین ذریعہ ہے اسی وجہ سے الدنیا مزرعۃ الآخرۃ فرمایا گیا۔ مگر ایسے لوگ دنیا میں کتنے ہیں؟ ــ

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

دوڑو اپنے رب کی معافی کی طرف کو اور بہشت کو جس کا پھیلاؤ ہے جیسا پھیلاؤ آسمان اور زمین کا تیار رکھی ہے واسطے اُن کے جو یقین لائے اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر۔ یہ فضل اللہ کا ہے دیوے اُس کو جس کو چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے۔"

حیاتِ دنیا کے دو راستے اوپر کی آیتِ کریمہ میں ارشاد ہوا تھا:۔

وفی الآخرۃ عذاب شدید ومغفرۃ من اللہ ورضوان۔ اس حیاتِ دنیا کے ختم ہونے کے بعد میدانِ آخرت کے دو راستے ہیں۔ یا تو عذابِ شدید کی راہ، یا اللہ سبحانہ کی بخشش اور اس کی خوشنودی کی" ہر ایک کا راستہ جداگانہ ہے۔ دنیا کی زندگی میں انسان جو راستہ اختیار کرے گا نتیجۃً اس

ٹھکانے پر پہنچیگا۔ عذابِ شدید کا جو مقام ہوگا وہ نہایت تنگ و تاریک آفات و مصائب سے بھرا ہوا اور گھرا ہوا۔ اسی سے دور رکھنے کے لئے اللہ سبحانہ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا۔ کتابیں نازل کیں۔ لہذا مومن کا کام یہ ہے کہ وہ دنیا میں ایسے کام نہ کرے جن کے باعث اوس کو آخرت میں مبتلائے عذاب ہونا پڑے۔ اس لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ تم اپنے پروردگار کی بخشش اور اوسکی خوشنودی کی راہ اختیار کرو۔ عذاب شدید کا مقام تنگ و تاریک اور مصائب و آلام سے پُر ہوگا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مغفرت و رضوان کا میدان نہایت پُرفضا بہت وسیع اور نورانی ہوگا۔

سابقوا کی تفسیر چونکہ یہ میدان نہایت وسیع ہے اور دنیا کی زندگی بہت ہی تھوڑی۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ اکثر اعمار امتی بین الستین والسبعین۔ میرے امتیوں کی اکثر عمریں ساٹھ اور ستر (سال) کے درمیان ہونگی۔ خود حضور انور، شیخین رض نیرین اور مولائے کائنات، علیہ و علیہم افضل التحیات واتم التسلیمات کی اعمار شریفہ تریسٹھ سال ہی تھیں تو معلوم ہوا کہ امتہ مرحومہ کے افراد کو عموماً یہاں زیادہ ٹھہرنا نہیں ہے اس لئے حکم ہو رہا ہے سابقوا۔ دوڑو اور ایک دوسرے سے گوئے سبقت لیجانے کی کوشش کرو کہ اس تھوڑے سے وقت میں، بڑا وسیع میدان طے کرنا ہے۔

اور یہ مہم وقت ضائع کرنے اور تساہل و تغافل سے نہیں بلکہ احتیاط کے ساتھ تیز گام ہو کر ہی طے کرنا ہوگا۔ اسی میدان مغفرت و رضواں میں جنت بھی ہے جس کی وسعت کا حال یہ ہے :۔

عرض جنت کی تفسیر | وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔

اور (سبقت کرو) جنت کی طرف اس کا عرض اتنا ہے جتنا تمام آسمانوں اور زمین کا عرض ہے۔" یعنی اگر سات طبق آسمان اور سات طبق زمین کو پھیلا کر جوڑ دیا جائے تو ان کے مجموعہ کا جس قدر پھیلاؤ ہوگا جنت کے صرف عرض کا پھیلاؤ اتنا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جنت کا طول کتنا ہوگا؟ کیونکہ عموماً ہر چیز کا عرض اوس کے طول کے مقابلہ میں کم ہوتا ہے۔

عرض فقیر | فقیر عرض کرتا ہے کہ جنت کی حقیقی وسعت کیا بیان کی جا سکتی ہے۔ اور اگر بیان بھی کی جاتی تو اوس کو کون سمجھ سکتا۔ انسان کسی چیز کو اسی حد تک سمجھتا ہے جتنا اوس کا علم ہے اور علم انسانی محدود ہے۔ اللہ سبحانہ نے فرمایا:۔ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا "تم کو بہت ہی تھوڑا سا علم دیا گیا ہے" جنت کی وسعت و گنجائش سمجھ میں آنے کے لئے یہ ایک تمثیل دی گئی ہے کہ آسمان و زمین کی وسعت سے انسان فی الجملہ واقف ہے۔ ورنہ حقیقت میں جنت کی

وسعت کتنی ہے اوس کا علم اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔

استحقاقِ جنت | اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ ۔ وہ (جنت) ٖہیّا کی گئی ہے اُن کے لئے جنھوں نے یقین کیا اللہ کا اور اُس کے پیغمبروں کا۔"
یہاں دو چیزیں قابل توجہ ہیں۔ ایک یہ کہ جنت پیدا ہو چکی ہے اور وہ اسوقت بھی موجود ہے اور عرصہ سے موجود ہے جس کا اندازہ مشکل ہے اہل سنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہی ہے۔ اگرچہ معتزلہ اس کے قائل ہیں کہ جنت قیامت کے بعد پیدا ہوگی حالانکہ اُعِدَّتْ ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ مطلب یہ کہ پیدا ہو چکی ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ نفس ایمان سے انسان کو جنت کا استحقاق حاصل ہو جاتا ہے اگرچہ اوس کا عمل کچھ بھی ہو کیوں کہ یہاں عمل کی قید نہیں لگائی گئی اور نفس ایمان ہی کا بیان فرمایا گیا ہے۔ البتہ یہ امر قابل تسلیم ہے کہ عمل سے ایمان کامل حاصل ہوتا ہے، اوس کی روحانیت اور نورانیت عمل سے بڑھتی جاتی ہے اور جنت کے درجات عمل کی مناسبت کے لحاظ سے ملینگے۔

فضل اللہ کی تفسیر | ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۔ یہ سب کچھ محض اللہ سبحانہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے اوس سے سرفراز فرماتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔"

اس میں اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ جو ذات' فضل عظیم کی مالک ہے اوسکی عطائیں عظیم ہی ہوگی۔ دیگر یہ کہ انسان کا جنت میں جانا' محض فضل الٰہی سے ہے۔ انسان کی سعی و عمل سے نہیں۔ **فقیر** عرض کرتا ہے کہ انسان کی جو بھی سعی ہوگی یا انسان جو بھی عمل کرے گا وہ جوارح یعنی اعضائے ظاہرہ ہاتھ' پاؤں' آنکھ' کان' ناک' زبان کا ہوگا۔ یا دل و دماغ' قوت متخیلہ' تفکر وغیرہ کے ذریعہ ہوگا اور یہ سب کچھ اللہ سبحانہ کے عطایائے عظیمہ ہیں جو انسان کو اوس کے کسی عمل کے بغیر دیے گئے ہیں اور اس وقت دیے گئے جب کہ وہ پیدا ہوا تھا اور کسی عمل وسعی کے قابل نہ تھا۔ لہٰذا یہ عطایا' محض افضال الٰہی ٹھہرے۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ایمان و اعمال صالحہ کی بنا پر وہ جنت میں جا رہا ہے تو ایمان و اعمال صالحہ چونکہ ان ہی اعضا و جوارح کے ذریعہ انجام پائے تھے اور یہ اعضا و جوارح محض فضل الٰہی سے ہم کو ملے تھے تو نتیجہ یہی نکلا کہ دخول جنت' محض فضل الٰہی سے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انسان محض اللہ سبحانہ کے فضل و کرم سے جنت میں جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا حضورؐ بھی۔ تو آپ نے فرمایا ہاں میں بھی

محض اللہ سبحانہ کے فضل وکرم ہی سے جنت میں جاؤں گا : ؎

چو روئے بخدمت نہی بر زمیں خدارا ثنا گوئے وخود را مبیں

امیدے کہ دارم بہ فضل خداست کہ بر سعی خود تکیہ کردن خطاست

ہمیں اعتمادم بہ یاری حق اُمیدم بہ آمرزگاری حق

22 مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا
فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ۚۖ
23 لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ
24 لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ۝ۙ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ
النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝

کوئی آفت نہیں پڑتی ملک میں اور نہ تمھاری جانوں میں جو لکھی نہ ہو ایک کتاب میں پہلے اس سے کہ پیدا کریں ہم اُس کو دنیا میں، بے شک یہ اللہ پر آسان ہے، تاکہ تم غم نہ کھایا کرو اُس پر جو ہاتھ نہ آیا، اور نہ شیخی کیا کرو اُس پر جو تم کو اُس نے دیا اور اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اترانیوالا بڑائی مارنے والا، وہ جو کہ آپ نہ دیویں اور سکھلائیں لوگوں کو بھی نہ دینا اور جو کوئی منہ موڑے تو اللہ آپ ہے بے پروا سب خوبیوں کیساتھ موصوف۔

مصیبۃ کی تفسیر | ہر پہنچنے والی چیز کو "مصیبۃ" کہتے ہیں وہ خیر ہو یا شر مصیبت کے یہ معنی از روئے لغت ہیں اور عرف عام میں کوئی مکروہ اور ناپسند چیز جو کسی کو پہنچتی ہے اوس کو مصیبت کہا جاتا ہے۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں لیکن اکثر مفسرین نے معنی ثانی مراد لئے ہیں اس لئے ہم نے اوس کا ترجمہ "آفت" کیا ہے۔

آفت دو طرح کی ہے۔ ایک آفت عامّہ جو تمام روئے زمین یا اوس کے کسی خاص خطہ میں سب پر آئی ہو۔ اوس کا تعلق کسی شخص خاص، یا طبقہ اور گروہ سے نہ ہو۔ مثلاً قحط، سیلاب، آندھی، زلزلہ وغیرہ، جس سے جمادات نباتات، حیوانات، انسان سبھی متاثر ہوتے ہیں۔ دوسری آفت خاصّہ جو کسی شخص خاص، یا طبقہ اور گروہ پر آئی ہو۔ مثلاً بیماری یا دشمن کا حملہ وغیرہ کہ اس کا اثر کسی خاص شخص یا طبقہ پر ہوتا ہے۔ حیوانات نباتات جمادات پر اوس کا اثر نہیں۔ یا ٹڈی دل کا حملہ صرف کھیتیوں پر ہوتا ہے دوسرے انواع پر اس کا کوئی اثر بالذات نہیں۔

ارشاد باری ہو رہا ہے کہ جو آفت عامہ یا خاصہ آتی ہے پیشتر ہی سے اوس کا حال اور پوری روداد اللہ سبحانہ کے ہاں ایک کتاب میں درج ہے۔

اور علم الٰہی کے ہر چیز پر محیط ہونے کے باعث، ایسا لکھ رکھنا اللہ سبحانہ کے لئے بہت سہل ہے اس میں ہمارے لئے یہ سبق ہے کہ ہماری مطلوبہ شئی اگر ہم کو نہ مل سکی تو ہم اوس کا غم نہ کھائیں اور اگر وہ میسر آگئی تو اوس پر اترائے اور فخر و غرور کرنے کا بھی کوئی محل نہیں اس لئے کہ جو صورت بھی نمودار ہوئی وہ علم الٰہی کے مطابق اور اوس کے نوشتہ کے موافق ہے۔ جب ازل میں اس کا فیصلہ ہو چکا تھا تو اوس کے بموجب واقعات وقوع میں آنا لازمی امر ہے۔ ایسی حالت میں انسان کے لئے راہ عمل یہ ہے کہ کسی چیز کے نہ ملنے پر صبر کرے اور ملنے پر شکر کرے یہی صبر و شکر انسان کے لئے مفید ہے۔ ہائے وائے کرنا، واویلا مچانا، یا کسی چیز پر اترانا اور فخر و غرور کرنا دانش مندی سے بعید ہے۔ حدیث ابن عباس رض میں اس کی تفسیر یوں ہے:—

رنج و راحت میں مومن کا وظیفہ | حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں:—

لیس احد الا وھو یحزن ویفرح ولکن ان اصابتہ مصیبۃ جعلھا صبرا وان اصابہ خیر جعلہ شکرا (ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی) ہر کوئی غمگین اور خوش ہوا کرتا ہے لیکن انسان کو چاہئے کہ اگر اس پر کوئی مصیبت آجائے تو اوس مصیبت کو صبر کا ذریعہ

بتائے اور اگر کوئی بھلائی پہنچے تو اوس کو وسیلۂ شکر قرار دے" مطلب یہ کہ انسان پر دنیا میں رنج و راحت مصیبت اور نعمت کا تسلسل رہتا ہی ہے تکلیف آتی ہے تو راحت سلب ہو جاتی ہے۔ بھلائی پہنچتی ہے تو برائی دور ہو جاتی ہے نہ ہمیشہ تکلیف کا سامنا رہتا ہے نہ راحت کا اور عادت انسانی یہ ہے کہ وہ تکلیف سے گھبراتا اور پریشانی کا اظہار کرتا پھرتا ہے۔ اور اگر کوئی بھلائی پہنچی تو اس پر شیخی اور غرور کرتا ہوا اتراتا رہتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں مرد مومن کے لئے نازیبا ہیں۔ رنج و راحت توام ہیں۔ ساتھ ساتھ پیدا ہوئے ہیں۔ اللہ سبحانہ نے انسان کو پیدا کرنے سے پیشتر ہی سب کچھ لکھ دیا ہے۔ اوس نوشتۂ تقدیر کے مطابق ہو کر رہے گا۔ نہ جزع فزع ہی کار آمد ہے اور نہ فخر و غرور۔ جب ان دونوں حالات سے گزرنا ہی ہے تو آسان صورت یہی ہے کہ تکلیف میں صبر کرے اور راحت میں شکر کرے۔ اس حالت میں دونوں حالتیں انسان کے لئے مفید ہی ثابت ہونگی۔ اس کے برخلاف جزع فزع اور فخر و غرور سر تا سر نقصان رساں اور پریشان کن ہے۔ اور یہ بالکل کھلی بات ہے انسان غور کرلے۔

یہاں معاشی مصائب مراد ہیں	اسی کے ساتھ حضرت ابن عباس رضٰ نے

یہ بھی فرمایا:۔ یرید مصائب المعاش ولا یرید مصائب الدین
انہ قال لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اٰتاکم ولیس عن
مصائب الدین امرھم ان یاسوا علی السیئۃ ویفرحوا بالحسنۃ
(ابن المنذر) یہاں "مصیبۃ" سے مصائب معاش مراد ہیں (جو انسان کی
دنیوی حیات سے متعلق ہیں) مصائب دین مراد نہیں (جن کا تعلق انسان کی
حیات اخروی سے ہے) یعنی حیات دنیوی سے تعلق رکھنے والی کوئی چیز چھوٹ جائے
اور تمھارے ہاتھ نہ لگے تو اس کا افسوس نہ کیا کرو اور اگر کچھ مل جائے تو اوس پر شاداں
و فرحاں بھی نہ ہوا کرو۔ (کیوں کہ دنیا دو روزہ ہے اس کے نہ ملنے پر کیا غم اور
اگر مل گئی تو اوس پر خوشی کا کیا موقع کہ یہ غمی و شادی بھی دو روزہ ہی ہے۔ پوری
انسانی زندگی سوائے غم و مسرت کی دھوپ و چھاؤں کے اور ہے بھی کیا:۔

دریں حدیقہ بہار و خزاں ہم آغوش است
زمانہ جام بدست و جنازہ بردوش است

یہ حکم مصائب دین کا نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی گناہ سرزد ہوا (تو یہ نقصان آخرت کا
پیش خیمہ ہے لہذا لوگوں کو) حکم دیا گیا ہے کہ اس کا غم کریں (اور توبہ و استغفار
کے ذریعہ اوس کی تلافی کی فکر کریں) اور اگر کوئی نیک کام ہو سکا تو اوس پر

خوش ہوں (کہ یہ اللہ سبحانہ کی توفیق اور اوس کے فضل اور مہربانی سے ہوا)۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:۔ قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا هو خیر مما یجمعون۔ (اے نبی کریم!) آپ فرما دیجئے کہ اللہ سبحانہ کے فضل اور اوس کی مہربانی سے تو ان لوگوں کو خوش ہونا چاہیئے۔ یہ لوگ جس مال و دولت کا اندوختہ کرنا چاہتے ہیں اوس کے مقابلہ میں یہ کارہائے خیر اور اون پر مسرت کا اظہار بدرجہا بہتر ہے۔ حضور انور روحی فداہ کا ارشاد ہے کہ اللہ سبحانہ کسی کو کوئی نعمت دیتا ہے تو اوس کا اثر بندہ پر کچھ تو دکھائی دینا چاہیئے۔ یعنی کھائے کھلائے۔ پہنے پہنائے۔ ناداروں کو دے اور خود بھی کچھ پاس رکھے۔ یہ نہیں کہ جو کچھ ملے اوس کا اندوختہ اور جتن ہی کرتا رہے۔ اور لوگوں کے سامنے اتراتا اور شیخی مارتا پھرا کرے۔

وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ نِ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ۔ اللہ کو پسند نہیں کوئی اترانے والا بڑائی مارنے والا وہ جو آپ نہ دیویں اور لوگوں کو بھی نہ دینا سکھلائیں اور جو کوئی منہ موڑے تو اللہ آپ ہے بے پرواہ سب خوبیوں کے ساتھ موصوف"

مختال فخور کی تفسیر انسان کی عادت ہے کہ حظوظ دنیوی سے اوس کو کچھ حصہ مل جاتا ہے تو وہ اس پر نازاں و فرحاں ہوکر اللہ کو بھول جاتا ہے بجائے اسکے کہ اللہ کی نعمتوں کا شکر کرے اور مالک کی یاد میں پہلے سے زیادہ لگا رہے یہ خیال کر لیتا ہے کہ دوسرے ابنائے جنس پر اوس کو فضیلت و برتری حاصل ہو گئی۔ اب کوئی اس کا ہمسر نہیں ہو سکتا۔ وہ دوسروں کے سلام کا طالب ہوتا اور اُن سے اپنی تعظیم و تکریم چاہتا ہے، خود کو ایسا سمجھنے لگتا ہے کہ وہ بڑا حاکم اور بادشاہ ہے کسریٰ و قیصر اوس کے حاشیہ بردار ہیں، اتنا دولت مند کہ قارون بھی اوس کے خزانہ کا ایک داروغہ، اور بلقیس اوس کی ایک ادنیٰ دایہ، اور خود اتنا حسین جمیل کہ چوبیس گھنٹے حضرت یوسفؑ اوسی کو دیکھتے ہوئے محو حیرت ہیں۔ اور وہ ایسا فیلسوف ہے کہ لقمانؒ حکیم بھی اس کے معمولی شاگرد تھے۔ زمین کی یہ سرسبزی اور یہ پیداوار سب کچھ اسی کے لئے ہے اور یہ زمین و آسمان اسی کی خاطر بنائے گئے ہیں۔ مگر اس پر غور کرنے کی کبھی اوس کو توفیق نہیں ہونے پاتی کہ جو عہدہ یا حکومت اس کو اب ملی ہے اس سے پیشتر کسی دوسرے کے پاس تھی وہاں سے منتقل ہو کر یہاں آئی ہے تو یہاں سے بھی منتقل ہو جائے گی۔ یہ دولت بھی کسی کی ملک تھی۔ اب ہمارے قبضہ میں آئی ہے۔ ایک دن یہاں سے بھی

جانے والی ہے۔ بی بی ہے، بچے ہیں۔ جن کے لئے یہ رات دن دم بھر رہا ہے ایک دن اس سے چھوٹ جائیں گے۔ اور کیا عجب ہے کہ کبھی اسی زندگی میں یہی بی بی بچے اوس کے دشمن ثابت ہوں۔ جیسا کہ سن چکے ہو:— ان من ازواجکم و اولادکم عدوّالکم فاحذروھم۔ تمھاری بعض بی بیاں اور بچے ہی تمھارے دشمن ہو سکتے ہیں۔ ان سے ڈرتے اور بچتے رہو۔ یہ بہار حسن چند روزہ ہے۔ بڑھاپا آیا بال پک گئے۔ دانت گر گئے۔ بصارت زائل ہو گئی۔ قدم لڑکھڑا گئے۔ ایک ایک کا سہارا ڈھونڈنے لگے۔ اب ملک عدم کی تیاری ہے۔ ایسی حالت ہے تو یہ غرور اور یہ تکبر، یہ اتراتا اور یہ شیخی جتانا، غور کرو کہ عقل و دانش سے کہاں تک مطابقت رکھتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

منافقین کا بخل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ میں جن منافقین سے سابقہ تھا بعض ان میں مال دار لوگ تھے۔ جہاد وغیرہ کی صورتیں درپیش ہوتیں تو ایسی ناگزیر ضرورتوں کے لئے توجہ دلائی جاتی مخلص مسلمان تو خوشی خوشی آپ کی اس مالی دعوت پر لبیک کہتے اور مقدور بھر مدد کرتے۔ چنانچہ ایک غزوہ کے موقع پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چار ہزار دینار کا پیشکش کیا، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوہ تبوک میں تین سو اونٹ

معہ سازوسامان و دیگر اخراجات اپنے ذمہ لئے گویا تین سو مجاہدین کے ضروری
مصارف اپنی ذات پر برداشت کئے۔ عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے ایک سو وسق
کھجوروں کا تحفہ دیا جن کی قیمت چار ہزار درہم ہوتی تھی۔ منافقین کہنے لگے کہ
یہ لوگ محض دکھانے سنانے کے لئے اتنا زیادہ دے رہے ہیں۔ ایک صحابی
ابو عقیل حبحاب رضی اللہ عنہ نہایت مفلوک الحال نادار تھے۔ دن بھر محنت
مزدوری کرکے دو صاع کھجوریں کما لائیں۔ اوس میں سے ایک صاع اپنے
گھر والوں کے لئے رکھ چھوڑا اور ایک صاع خدمت اقدس میں کمال عقیدت و
عجز سے پیش کیا تو منافقین کہنے لگے کہ اس کے ایک صاع سے کیا ہوگا۔ یہ خون
لگا کر شہیدوں میں شامل ہونا چاہتا ہے۔ اور خود منافقین باوجود مالدار ہونے کے
کچھ نہ دیتے۔ اقسام کے بہانے بناتے اور جھوٹے عذرات تراشتے۔ بہرحال خود بخل
کرتے اور دوسروں پر اعتراض کرتے۔ نہ دل کھول کر خرچ کرنے والا ان کے الزام سے
چھوٹ سکتا اور نہ فقر و مسکنت کے باوجود کوئی خدا اور رسول کے لئے کچھ دیدیتا تو
ان کے طعنوں سے محفوظ رہتا۔ اس طرح دوسرے خرچ کرنے والوں کی ہمت
پست کرنے کی باتیں کرتے۔ اس لئے ارشاد ہورہا ہے کہ یہ خود بخیل ہیں اور
دوسروں کو بخل کی تعلیم دیتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ سبحانہ کے نزدیک پسندیدہ

نہیں ہو سکتے۔ ان کو اپنی ایسی حرکات سے باز آنا چاہیے۔ اس پر بھی کوئی نہ مانے تو
اللہ سبحانہ کو ان کی پرواہ نہیں ہے۔ اللہ غنی ہے اس کا کوئی کام خواہ وہ
کتنا ہی بڑا اور اہم ہو رک نہیں سکتا۔ اللہ سبحانہ اوصاف حمیدہ سے موصوف ہے
وہ زیادہ دینے والوں کو بھی دیکھتا ہے اور معمولی تحفہ لانے والوں کے دلوں سے بھی
واقف ہے۔ نیت کے مطابق ہر ایک کو دے گا۔ دینے والوں کا ایک ایک دانہ
بارآور ہو کر رہے گا۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ
وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ
شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ
بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ ع "ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں (ع ۳ / ۱۹) (۲۵ حدید آیت ۵۸)
دے کر اور اُتاری اُن کے ساتھ کتاب اور ترازو، تاکہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر
اور ہم نے اُتارا لوہا، اُس میں سخت لڑائی ہے، اور لوگوں کے کام چلتے ہیں اور
تاکہ معلوم کرے اللہ، کون مدد کرتا ہے اُس کی اور اُس کے رسولوں کی بن دیکھے
بے شک اللہ زور آور زبردست ہے۔"

رُسُلَنَا کی تفسیر | مفسرین کرام نے رُسُلَنَا کی دو تفسیریں فرمائی ہیں۔

رُسُل بشر۔ یعنی پیغمبران جو نوع بشر سے مبعوث ہوئے۔ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے شروع ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک۔ یا رُسُل ملائکہ یعنی فرشتے جو خداوند تعالیٰ شانہ کے پیامات اور احکام پیغمبران علیہم الصلاۃ والسلام تک پہنچاتے رہے ہیں۔ مثلاً حضرت جبرئیل و میکائیل علی نبینا و علیہم الصلاۃ والسلام۔ پہلی تفسیر تو صاف ہے اور یہی قول راجح ہے کہ رُسُل بشر ہی یہاں مراد ہیں۔ دوسری تفسیر اس بناء پر ہے کہ اللہ سبحانہ کے پیام اور احکام جو رُسُل بشر کے پاس آتے رہے ہیں اون میں ملائکہ کرام کا توسط رہا ہے کیوں کہ اس آیہ کریمہ میں اَنْزَلْنَا مَعَهُمْ آیا ہے یعنی ہم نے ان کے ساتھ کتاب اتاری ہے رسل بشر پر جو کتابیں نازل ہوئی ہیں وہ ان کے ساتھ نہیں آئیں بلکہ ان کی بعثت کے بعد آئی ہیں۔ البتہ کتاب پوری ہو یا اُس کا کچھ حصہ اوس کو اللہ سبحانہ کے فرشتے اپنے ساتھ لاکر حضرات انبیا علیہم السلام کو پہنچاتے رہے ہیں۔ گویا کلمۂ مَعَهُمْ کو حقیقی معنی پر محمول کیا ہے اور اگر رسل بشر مراد لئے جائیں تو معھم بمعنی الیھم ہوگا۔ اور یہ استعمال مجازی ہوگا حقیقی نہیں۔ جب حقیقی معنیٰ درست ہو سکتے ہیں تو مجازی معنی لینے کی ضرورت نہیں۔ یہ تقریر بھی بجائے خود درست ہو سکتی ہے۔ لیکن اسی آیہ کریمہ میں لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ

بِالْغَیْبِ آیا ہے یعنی تا اللہ سبحانہ معلوم کرے کہ یہ دیکھے اللہ سبحانہ اور اوس کے رسولوں کی مدد کون کرتا ہے "۔ یہاں رُسُلَہٗ سے رسل بشر ہی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ رسل بشر ہی کو مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ رُسُلِ ملائکہ خود مددگار ہوتے ہیں اون کو کسی مدد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لئے رُسُلَنَا سے بھی رُسُلِ بشر مراد لینا اولیٰ و ارجح ہے۔ اس اعتبار سے وانزلنا معھم الکتاب کے معنی یہ ہونگے کہ رسل بشر کو ہم نے اس حالت میں بھیجا کہ کتاب اون کے ساتھ ہے۔ وہ کتاب سے جدا نہیں ہوتے۔ اون کی جملہ ہدایات اسی کتاب پر مبنی ہیں۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔ انی تارك فیکم الثقلین۔ واللہ اعلم

انبیاء علیہم السلام کی بعثت بہر حال اللہ سبحانہ نے پیغمبر بھیجے تو یوں ہی نہیں اون کے ساتھ پیغمبری کی نشانیاں بھیجیں۔ جیسے کسی عہدہ دار کا کسی جگہ کی خدمت پر تقرر ہوتا ہے تو جریدہ شائع ہوتا ہے۔ احکام بھیجے جاتے ہیں اون میں رعایا کے نام ہدایات ہوتی ہیں کہ ان کی ایسی خاطر تواضع کی جائے۔ ایسا احترام و اعزاز ملحوظ رکھا جائے۔ ایسی اطاعت کی جائے۔ یہ تمام چیزیں اون کے تقرر و تعیناتی کے نشان ہوتے ہیں۔ اسی طرح پیغمبر علیہم الصلاۃ والسلام تشریف لائے تو پورے اعزاز و احترام کے ساتھ تشریف لائے۔ ان کے ساتھ بھی پیغمبری کے

نشانات تھے۔ علاوہ اس کے کہ وہ خود ایسے برگزیدہ اوصاف واخلاق کے
مجسمے تھے کہ دوسرے انسان اون کی ہمسری تو کیا کر سکتے اون کا عشرِ عشیر
نمونہ بھی نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کو ید بیضا اور عصا حضرت عیسیٰؑ کو
لا علاج امراض کے دفع کرنے بلکہ مردے کو زندہ کرنے کی قدرت بخشی گئی۔

حضورؐ انور کی بعثت مبارک پھر حضورؐ انور کو رحمۃ للعالمین بنا کر اور بے شمار
معجزات دیکر مبعوث فرمایا گیا۔ چونکہ آپ کی نبوت ورسالت کسی زمان ومکان تک
محدود نہ تھی۔ اس لئے معجزات بھی ان گنت دئے گئے کہ قیام قیامت تک ظاہر
ہوتے رہیں اور اقوام عالم کی نظروں کو خیرہ ومسحور کرتے جائیں۔ وہ اس طرح کہ
اولیائے رحؒ متبعین کی ہر کرامت انبیائے متبوعین کا معجزہ ہے۔ علاوہ شق القمر اور
دیگر آیات بینات کے جو اپنے اپنے وقت پر آپ کے دست حق پرست سے ظاہر ہوتے
اور شان اعجاز دکھاتے رہے۔ جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش کہاں؟ خود قرآن
کریم سے بڑھ کر اور کونسا معجزہ ہے جو چودہ سو سال سے دعوت مقابلہ دے رہا ہے
اور قیامت تک کے لئے اعلان عام ہے کہ جو کوئی چاہے اس کا جواب لائے یا
ایسی کوئی ایک سورت ہی بنا لائے۔ ہرگز نہیں لا سکتا۔

کتاب کیا تھے میزان کا نزول وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ

اور ہم نے کتاب اور ترازو اُتاری درحالیکہ وہ کتاب اور ترازو اون کے ساتھ تھے
ہے" وہ رُسل بشر اُس کتاب اور ترازو سے کبھی جدا نہیں ہوتے۔ یعنی اون کی جملہ
ہدایات کا خلاصہ یہی کتاب اور میزان ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے فرمایا۔ انی تارك فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا
ولا یفترقان حتّی یردا علیّ الحوض کتاب اللہ و سنّتی۔ میں تم میں
دو بھاری چیزیں چھوڑ جاتا ہوں جب تک تم ان کو مضبوطی سے تھامے
رہو گے کبھی راہ راست سے بھٹک نہ سکو گے۔ اور یہ دونوں چیزیں بھی
مجھ سے حوض کوثر پر ملاقات ہونے تک کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی
(قرآن کریم) ایک اللہ سبحانہ کی کتاب ہے اور دوسری میری سنت۔" (حدیث شریف)
کتاب اللہ اور حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ دونوں جدا نہیں
ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہیں۔ کتاب اللہ متن ہے تو حدیث شریف
اوس کی شرح ہے۔ کتاب اللہ مجمل ہے تو حدیث شریف اوسکی تفصیل و تفسیر۔

اہل بیت کرام کی عظمت شان

اس حدیث شریف کی دوسری روایت
اس طرح ہے کتاب اللہ و عترتی۔ دو بھاری چیزیں جو تم میں چھوڑ جاتا ہوں
وہ کتاب اللہ اور میری عترت طاہرہ ہے" یعنی میری اولاد و اہل بیت،

یہ اس طرح کہ کتاب اللہ اگر متن ہے تو اہل بیت اوس کے شارحین ہیں۔ یا یہ کہ کتاب اللہ اگر قول ہے تو میرے اہل بیت اوس کی عملی تصویر و تفسیر۔ بہر حال یہ دونوں بھی ساتھ ساتھ ہیں۔ ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ ان شاء اللہ تاقیام قیامت یہی حال رہے گا۔ تاآنکہ وہ مجھسے حوض کوثر پر ملاقات کریں گے۔

المیزان کی تفسیر | یہاں المیزان سے مراد یا تو یہی ترازو ہے جس سے اشیاء کا وزن کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں:۔ ان جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نزل بالمیزان نفسہ فدفعہ الی نوح علیہ الصلاۃ والسلام وقال مر قومك یزنوا بہ۔ جبریل علیہ السلام یہی ترازو واتار لائے اور حضرت نوح علیہ السلام کو دے کر فرمایا کہ آپ اپنی قوم کو حکم دیں کہ وہ اس سے وزن کیا کریں"۔ مطلب یہ کہ خرید و فروخت کے جو معاملات لوگوں میں جاری ہیں یہ حقوق الناس ہیں۔ یا یدداد اور یا یدگرفت دونوں میں عدل پیش نظر رہے۔ انسان جس طرح چاہتا ہے کہ اپنا حق ضائع نہ ہو اسی طرح دوسروں کے حقوق کا بھی خیال رکھے کہ وہ بھی ضائع ہونے نہ پائیں۔ ترازو اوس کا معیار ہے۔ اگر اس سے اشیاء کا لین دین سچے تول کے ساتھ قائم رہے تو حقوق الناس تلف نہ ہوسکیں گے نہ دینے والے کے اور نہ لینے والے کے۔ اس سے امن قائم ہوگا۔ آپس میں محبت بڑھیگی

اور کاروبار میں خیر و برکت ہوگی۔

میزان کے نزول کا مقصد | چنانچہ اس کے بعد ہی ارشاد ہے :۔

لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۔ تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔" کتب الٰہیہ کا نزول انبیاء علیہم السلام کی بعثت، سلطنتوں کا قیام، شریعتوں کا اجراء، قوانین کا نفاذ سب کچھ اسی قیام عدل کے لئے ہے۔ اگر عدل قائم ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ نہیں کیونکہ اگر حقوق الناس ہی عدل کے ساتھ ادا نہ ہوں تو حقوق اللہ کی ادائی کی توقع کس طرح کی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر اسی ناپ تول میں کمی کرنے کی بنا پر عذاب آیا تھا جس کا واقعہ بارہا بیان ہو چکا ہے اور ابھی کئی جگہ اس کا بیان آرہا ہے۔

میزان کی دوسری تفسیر | المیزان کی دوسری تفسیر وہ ہے جس کی صراحت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی چنانچہ آپ لکھتے ہیں :۔

اتظنّ انّ المیزان المقرون بالکتاب ھو میزان البرّ والشعیر والذھب والفضّۃ ام تتوھّم انّہ ھو الطیار والقبان ما ابعد ھذا الحسبان واعظم ھذا البھتان فاتّق اللہ ولا تتعسّف فی التاویل واعلم یقینا انّ ھذا المیزان ھو میزان معرفۃ اللہ ومعرفۃ

ملائکته وکتبه ورسله وملکه وملکوته لیتعلم کیفیة الموزن به من انبیائه کما تعلموا من ملائکته فالله هو المعلم الاول والثانی جبرائیل والثالث الرسول والخلق کلهم یتعلمون من الرسول مالهم طریق فی المعرفة سواہ۔ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ کتاب اللہ کے ساتھ جو ترازو اتری وہ گیہوں اور جو، سونا اور چاندی تولنے کی ترازو ہے یا یہ توہم رکھتے ہو کہ میزان سے مراد دینار و درہم تولنے یا ثقیل چیزیں تولنے کی ترازو ہے ایسا خیال حقیقت سے کیا ہی دور ہے اور یہ کتنا بڑا بہتان ہے خدا سے ڈرو اور ایسی بیجا تاویل نہ کرو۔ یقین جانو کہ یہ معرفت الٰہی کی میزان ہے اور اوس کے فرشتوں کے شناخت کی میزان ہے، اوس کی کتابوں اور رسولوں، ملک اور ملکوت کو پہچاننے کی میزان ہے تا اوس کے نبیوں سے ان چیزوں کے تولنے اور اون کے مراتب پہچاننے کا طریقہ سیکھا جائے جیسا کہ انبیا علیہم السلام کو فرشتوں کے ذریعہ معلوم کرایا گیا۔ کیونکہ معلم اول حق سبحانہ تعالیٰ ہے۔ دوم حضرت جبرئیل اور سوم رسول و پیغمبر ہیں علیہم الصلاۃ والسلام تمام مخلوقات نے پیغمبروں ہی سے سیکھا۔ اس کے سوا معرفت کی کوئی راہ نہیں۔"

عرض فقیر | فقیر عرض کرتا ہے کہ میزان کو کسی ایک معنی سے مختص نہ کیا جائے کہ

ایک معنی مراد لینے سے دوسرے معنی کی نفی ہوجائے بلکہ میزان کو درجۂ عموم میں رکھاجائے خواہ مراد یہ ظاہری میزان ہو یا میزان شریعت یا میزان معرفت جو تینوں معانی کی جامع ہو۔ اس صورت میں کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا اور نہ کسی جواب یا تردید کی حاجت ہوگی۔ اس تفسیر سے جملہ معانی اپنی اپنی جگہ درست ہوجائیں گے۔ واللہ اعلم۔

وَاَنزَلنَا الحَدِیدَ فِیہِ بَاْسٌ شَدِیدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعلَمَ اللہُ مَن یَّنصُرُہٗ وَرُسُلَہٗ بِالغَیبِ اور ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت ہیبت ہے اور لوگوں کے کام نکلتے ہیں اور تا اللہ سبحانہ کو معلوم ہو کہ اوسکی اور اوس کے رسولوں کی غائبانہ تائید کون کرتا ہے؟"۔

انزلنا الحدید کی تفسیر وَاَنزَلنَا الحَدِیدَ سے یہاں مراد خلقنا الحدید ہے یعنی ہم نے لوہے کو پیدا کیا۔ چاندی سونے کی طرح لوہا بھی ظاہر ہے کہ زمین سے نکلتا ہے اس کے بھی معدن ہوتے ہیں جن کو کھود کر لوہا نکالا جاتا ہے مطلب یہ کہ لوگ سیم و زر کے درپے ہیں اور اسی دُھن میں اپنا کارآمد وقت صرف کر رہے ہیں۔ سونا چاندی تو عورتوں کا زیور ہے۔ اور سیم و زر کی خواہش ایک زنانہ مطالبہ ہے۔ جو مردوں کے لئے سزاوار نہیں۔

فیہ بأس شدید کی تفسیر فِیۡهِ بَأۡسٌ شَدِیۡدٌ (ہم نے لوہا اتارا ہے گویا اسی طرح اتارا جیسی کتابیں اتاریں) لوہے میں بڑی سخت ہیبت ہے"۔ جس کو دیکھ کر اور جس کا بیان سن کر مجرمین کے دل کانپ اوٹھتے ہیں۔ اون کو زنجیریں، ہتکڑیاں، بیڑیاں، طوق، اسی لوہے کے ڈالے جاتے ہیں۔ اس کی سلاخوں میں اون کو بند کیا جاتا ہے۔ اسی کے قفل دروازوں پر لگائے جاتے ہیں۔

اسوۂ یوسفی اگر کوئی ظالم، یہی عمل اہل حق کے ساتھ اون کی حق گوئی اور حقانیت کی بنا پر کرتا ہے تو اہل حق اس سے نہیں گھبراتے۔ بلکہ اس کو خوشی خوشی قبول کر لیتے ہیں مگر حق کو چھوڑنے پر کبھی راضی نہیں ہوتے۔ یہی طوق وزنجیر ہتکڑی و بیڑی اون کے حق میں زیور کا کام دیتی ہے۔ جس کو زیب تن کرنے کے لئے وہ ہر وقت تیار رہتے ہیں کیوں کہ یہ مردانہ زیور ہے۔ حضرت یوسف صدیق علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کو اہل باطل جب اپنے دام فریب میں لانے کی تیاریاں کر رہے تھے تو رب العزت کی بارگاہ میں آپ نے یہ عرض کیا رب السجن احب الیّ مما یدعوننی الیہ والا تصرف عنّی کیدھن اصب الیھن واکن من الجاھلین۔ میرے پروردگار! قیدخانہ ہی مجھے محبوب تر ہے اوس کے مقابلہ میں جس کی دعوت یہ عورتیں مجھے دے رہی ہیں

اگر اون کے مکر و کید کا رُخ مجھ سے نہ پھیر دیا تو مبادا میں اون کی طرف جھک جاؤں پھر تو نادانوں میں شامل ہو جاؤں گا۔"

حسن و کمال یوسفی | یوسفؑ جن کا حُسن ظاہر اس اوج کمال پر تھا باطن اس سے بھی کہیں زیادہ نورانی جن کی تعریف و توصیف، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح فرمائی:۔ الکریم بن الکریم بن الکریم بن الکریم خود باعزت، پھر باعزت کے فرزند، باعزت کے پوتے، باعزت کے پروتے۔" یعنی یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علی نبینا وعلیہم التحیۃ والف الف تسلیم جن کی مسلسل چار پشتیں، انوار نبوت و کمالات رسالت کی حامل، انبیا علیہم الصلاۃ والسلام میں ایسا نورانی تسلسل، اپنی آپ نظیر ہے۔ کیوں کر گوارا ہو سکتا تھا کہ نادانوں کی صف میں آجائیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔ فاستجاب له ربه فصرف عنه کيدهن انه هو السميع العليم۔ ان کے ربّ نے ان کی دعا قبول فرمائی پھر اُن سے ان عورتوں کے کید کا رُخ پھیر دیا۔ بے شک وہ پروردگار خوب سننے والا اور اچھی طرح جاننے والا ہے۔" پھر کیا تھا وہی قید و بند آپ کے اور آپ کے آبائی کمالات و کرامات کی درخشانی کا سبب ہوا۔

اسوۂ داؤدی | یہی لوہا حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کیلئے

نرم بنا دیا گیا۔ ارشاد باری ہے:۔ والنالہ الحدید ان اعمل سابغات وقدر فی السرد واعملوا صالحا انی بما تعملون بصیر۔ اور نرم کردیا ہم نے اُن کے آگے لوہا کہ بناؤ زرہیں کشادہ اور اندازہ سے کڑیاں جوڑ کر اور کرو تم سب اچھے کام تم جو کچھ کرتے ہو میں اوس کو دیکھتا ہوں"۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام آگ اور آلات واوزار کے بغیر لوہے کو جس طرح چاہتے موڑ لیتے جوڑ لیتے۔ اور زرہیں تیار کرکے فروخت کرتے۔ نبوت و رسالت کیساتھ آپ کو حکومت وخلافت سرفراز ہوئی۔ آپ کے فرزند ارجمند حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کو نبوت و رسالت کے ساتھ روئے زمین کی حکومت ملی جو اکل حلال، صدق مقال، اعمال صالحہ اور شکر منعم کا صلہ تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جماعت مہاجرین کو تیر اندازی کی مشق کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا:۔ ارموا فان ابا کم اسماعیل کان رامیا۔ تیر اندازی اور نشانہ بازی کئے جاؤ (یہ تمھارا آبائی جوہر ہے) کیونکہ تمھارے جد اعلیٰ اسماعیلؑ بھی تیر انداز نشانہ باز تھے"۔ ذوالفقار حیدری کے جوہر اظہر من الشمس و ابین من الامس ہیں جن کا شہرہ تا قیامت باقی رہیگا۔ اور سیف اللہ خالدؓ بن ولید کے احوال محتاج بیان نہیں۔ حضور انورؐ نے مشہور تیر انداز

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جن الفاظ میں یاد فرما کر سرفراز فرمایا وہ اپنی آپ نظیر ہیں :۔ ارم یاسعد فداك ابی وامی اے سعد! تیر چلائے جاؤ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں "

لوہا اور سیم وزر کا توازن بہرحال سیم وزر کیا چیز ہے۔ گھڑیال کی بال کمانی لوہے سے ہی بنتی ہے۔ وزن دیکھو تو کچھ نہیں مگر سیم وزر کی اوس کے آگے کوئی حقیقت نہیں۔ اگر منفعت ہی کا خیال ہے تو ارشاد ہو رہا ہے وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ (لوہے میں بڑی ہیبت بھی ہے) اور لوگوں کو اس سے بڑے بڑے منافع ہیں " کان کنی سے لے کر لوہے کو برآمد کرنے' صاف کرنے' اوس سے اشیائے مایحتاج تیار کرنے' ان کو اٹھا لانے' فروخت کرنے' پھر انکو خرید کر اپنے کام میں لانے تک جتنے مراحل ہیں سب کے سب پُرمنفعت ہیں' کوئی پہلو اور کوئی صورت نفع سے خالی نہیں اور نہ نظر انداز کرنے کے قابل۔

لوہا اور حضرت آدم حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ نزل آدم علیہ السلام من الجنۃ ومعہ خمسۃ اشیاء من الحدید السندان والکلبتان والمیقعۃ والمطرقۃ والابرۃ (روح البیان) حضرت آدم علیہ السلام جنت سے تشریف لائے تو آپ کے ساتھ لوہے کی یہ پانچ چیزیں تھیں۔ ایرن' دستے پناہ' ہتوڑا

کھن اور سوئی " ایک روایت میں ہے :۔ ومعہ المرّ والمسحاۃ۔ اور آپ کے
ساتھ ہل اور پھاوڑا بھی تھا " یعنی اشیائے ما یحتاج سامان زراعت۔
بہر حال سامان دفاع ہو خواہ دشمن کو دفع کرنے اور روکنے کا جیسے اسلحہ
یعنی تیر و تفنگ، تلوار، خنجر، برچھا بھالا وغیرہ، یا اپنے تحفظ نفس کا جیسے زرہ بکتر،
خود وغیرہ، یا معیشت کے اسباب ہوں وہ یا تو لوہے کے ہوں گے یا لوہا اوس میں
شریک ہوگا۔ یہاں تک کہا جاتا ہے :۔ ومامن صنعۃ الّا والحدید
او ما یعمل بالحدید آلتھا۔ کوئی صنعت ایسی نہیں جس میں لوہے کا دخل نہ ہو خواہ
بالذات یا بالواسطہ " یہی سبب ہے کہ اللہ سبحانہ نے لوہے کا ذکر اپنی کتاب کیمیں
فرمایا۔ اور اسی آیۃ کریمہ کی بنا پر اس سورت شریفہ کا نام سورۃ الحدید رکھا گیا۔
یعنی وہ سورت جس میں لوہے کا بیان ہے۔

لوہے سے نُصرتِ خدا و رسول | ولیعلم اللہ من ینصرہ ورسلہ بالغیب

اور تا اللہ سبحانہ معلوم کرے کہ کون اوس کی اور اوسکے رسولوں کی مدد بن دیکھے کرتا
ہے " دیکھتے ہوئے تو ہر کوئی مدد کو کھڑا ہوگا۔ کس کی مجال ہے کہ وہ مالک الملک سامنے
ہوتے ہوئے اوس کا ذرہ برابر بھی خلاف کرسکے لیکن اس میں کوئی خوبی اور فضیلت
نہیں ہے۔ بڑی بات تو وہ ہے کہ بن دیکھے مدد کے لئے کھڑا ہو۔ یعنی جو لوگ اللہ سبحانہٗ کی

آسمانی کتاب اور اوس کی مقرر فرمائی ہوئی میزان شریعت سے راہ راست پر آئیں
اور اوس کو چھوڑ کر تمرد و سرکشی اختیار کریں تو ایسے کج رو معاندین کی قرار واقعی
گوشمالی کی خاطر قبضہ شمشیر پر ہاتھ ڈالنا ہوگا کہ اقتضائے سیاست یہی ہے تاکہ
اللہ کی زمین سے ظلم دفع ہو اور عدل و امن قائم ہو تو یہ کام بھی لوہے کے ذریعہ ہی
لیا جائے گا۔ اور اسی سے اللہ سبحانہ اور اوس کے رسولوں کے احکام کا وقار
قائم ہوگا۔ جو اللہ سبحانہ کے وفادار بندے ہیں وہ اپنی جان و مال کی بازی
لگاکر احکام خدا اور رسول کا وقار قائم کریں گے اور معاندین و ظالمین کو اسی
لوہے سے اون کے کیفر کردار کو پہنچائیں گے۔ قابل صد تحسین ہیں قرون اولی کے
ہماری وہ محترم ہستیاں جنھوں نے اقوام عالم سے اپنا لوہا منوا لیا۔
جزاھم اللہ عنا احسن الجزا۔

قوی عزیز کی تفسیر | اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ۔ بے شک اللہ زور آور
زبردست ہے" وہ اپنے کسی کام میں کسی کی نصرت و تائید کا محتاج نہیں اوس کے
تمام کام بغیر کسی کی شرکت اور تائید کے تکمیل پا سکتے ہیں۔ نصرت الٰہی کا جو
حکم دیا گیا ہے محض اسلئے کہ اوس کے بتائے ہوئے کاموں کی تکمیل اوس کی
دی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں سے لے کر بندے مستحق ثواب قرار پائیں کہ اس

اتباع و امتثال امر کا نفع، دنیا و آخرت میں اون ہی کو ملے گا۔

قوی عزیز کی تاثیر علامہ زورقیؒ فرماتے ہیں: — "قوی" ایسا کہ اپنی ذات و صفات اور اپنے افعال میں اوس کو کسی نوع کا کوئی ضعف و اضمحلال کوئی مشقت یا تکان، نہیں ہو سکتا۔ نہ یہاں کسی کوتاہی یا عاجزی کی گنجایش اور نہ کسی توڑ جوڑ کی حاجت ہے۔ صرف اوس کے اس نام کی تاثیر یہ ہے کہ اگر کوئی ضعیف ہمت والا، اللہ سبحانہ کو "**قوی**" کے نام سے یاد کرلے تو وہ اپنے اندر ایک زبردست قوت پائے گا۔ اس نام کے لیتے ہی ایک ضعیف الجسم اپنے ناتوان جسم میں توانائی محسوس کرے گا۔ اگر کسی ظالم کو دفع کرنیکی نیت سے ایک ہزار دفعہ اس نام کا ورد کرے تو ظالم دفع ہوگا اور اوس کا کام بن جائیگا۔ اور اسم مبارک "**عزیز**" کی خاصیت یہ ہے کہ اس نام کے لینے سے غنیٰ اور عزت صورۃً یا معنیً بلکہ صورۃً و معنیً ہر حیثیت سے حاصل ہوگی۔ اور جو کوئی چالیس دن تک روزانہ چالیس دفعہ اس بابرکت نام کا ورد جاری رکھے اعانت الٰہی اوس کو حاصل ہوگی اور اوس کو وہ عزت نصیب ہوگی کہ کسی مخلوق کی اوس کو کوئی احتیاج نہ رہے گی۔"

اربعین اوریسیہ میں ہے: — یا عزیز المنیع الغالب علی امرہ

فلا شیئ یعادلہ یعنی "یا عزیز" (اے محفوظ و غالب) کے وظیفہ کی شان یہ ہے کہ اس کا معاملہ بھرپور ہے کوئی چیز اس کے برابر کی نہیں ہو سکتی۔"

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:- جو کوئی اس مبارک نام کو ایک ہفتہ تک روزانہ ایک ہزار بار پڑھا کرے اوس کا دشمن تباہ ہو جائے گا۔ اور اگر کسی لشکر کے مقابلہ میں ستر دفعہ اس کو پڑھے اور اپنے ہاتھ سے اوس کی طرف اشارہ کرتا جائے تو وہ لشکر شکست کھا جائے گا۔"

عرض فقیر | فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ منافع و برکات صرف اللہ سبحانہ کے ان اسمائے حسنیٰ میں ہیں تو اسم کے مسمّیٰ کی کیا شان ہو گی اسی سے اللہ سبحانہ کی ذات جامع الصفات کا اندازہ کر لیجئے چنانچہ ارشاد مبارک ہوا ہے:- اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ بے شک اللہ زور آور زبردست ہے۔" وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِیْمَ 57
وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ○ اور ہم ہی نے بھیجا نوح کو اور ابراہیم کو اور ٹھہرا دی دونوں کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب پھر کوئی ان میں راہ پر ہے اور بہت ان میں نافرمان ہیں۔"

نبوت اولاد نوح و ابراہیم میں | یعنی اوسی خدائے قوی و عزیز نے نوح و ابراہیم کو

(۲۷ سورۃ ۵۷)

اپنا رسول بنا کر اپنے اپنے زمانہ میں بھیجا کہ وہ اس خدائے قوی و عزیز کے احکام اور اوس کا پیام اللہ سبحانہ کے بندوں تک پہنچائیں اور اون کو راہ راست صراط مستقیم (اسلام) بتائیں۔ اور ان پر مزید کرم یہ فرمایا کہ آئندہ نبوت اور کتب الٰہیہ کا سلسلہ جو اِن بزرگواروں کے بعد جاری رہیگا وہ بھی ان ہی ہر دو حضرات کی ذریت اور نسل میں رہیگا۔ اس طرح کہ نوح علیہ السلام کے بعد اور سیدنا ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی ولادت باسعادت سے پہلے جس قدر حضرات انبیاء کرام ہوں گے وہ سب حضرت نوحؑ کی اولاد میں ہوں گے جیسے حضرت ہود و حضرت صالح و حضرت لوط علیہم الصلاۃ والسلام اور جب آپ کی اولاد میں حضرت ابراہیم علیہ التحیہ والتسلیم ہوں گے تو پھر نبوت و رسالت حضرت ابراہیم کی ذریت کیساتھ مخصوص ہو جائے گی۔ جیسے حضرت اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، داؤد، ذکریا، یحییٰ، عیسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام یہ سب اولاد اسحاقؑ سے اور حضرت سید الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت اسمٰعیلؑ کی ذریت سے ہوئے آپ پر نبوت و رسالت ختم ہوئی۔ اب قیامت تک کوئی نبی یا رسول نہ ہوں گے۔ قیام قیامت تک حضور خاتم النبیینؐ ہی کی نبوت و رسالت جاری رہیگی۔

قوت و عزت الٰہی انبیاؑ کیساتھ | جب خدائے قوی و عزیز نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو بھیجا تو خداوند تعالیٰ شانہ کی قوت و عزت ان حضرات کے ساتھ تھی نوح علیہ السلام کو آپ کی قوم نے بہت کچھ ڈرایا دھمکایا اقسام کی ایذارسانی اور دل آزاری کی مگر پیر ہزار سالہ کا کچھ بگاڑ نہ سکے۔ مخالفت کر کر کے قوم نے تباہی و بربادی کا سامان کیا اور چشم زدن میں جس طرح یہ قوم تباہ ہوئی اس کا حال متعدد جگہ آ چکا ہے۔ یہی حال حضرت ابراہیم علیہ التحیہ والتسلیم کا بھی تھا کہ آپ کا مقابلہ، نمرود جیسا متمرد بادشاہ، کرنا چاہا۔ مگر کیا ہوا اوس کا بیان بھی متعدد دفعہ آپ سن چکے ہیں۔ اور کم و بیش ایسے ہی واقعات دوسرے انبیا علیہم السلام کو بھی درپیش آتے رہے ہیں۔ خصوصاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تو قیامت ہی توڑ دی گئی۔ مگر آپ نے کس ہمت و استقلال اور کیسی رحمت و رأفت سے اس کا جواب دیا محتاج بیان نہیں، قرآن کریم، احادیث شریفہ، تفاسیر، تاریخ و سیر میں تفصیلات موجود ہیں۔ زمانہ ان واقعات کو بھلا نہیں سکتا۔ یہاں بھی اُسی قوی و عزیز کی قوت و عزت کی کارفرمائی تھی۔

یہ سب کچھ سہی مگر حقیقت حال یہ بیان فرمائی جا رہی ہے کہ نوحؑ و ابراہیمؑ کی بعثت کے بعد جو نتائج سامنے تھے ہی کہ و منھم مھتد۔ ان میں سے راہ راست پر

یا ہدایت یافتہ کچھ ہی "۔ وکثیر منھم فاسقون اون کے بہت سارے نافرمان ہی رہے "۔ نوحؑ وابراہیمؑ کا واقعہ قرآن کریم میں دوہرانے کا مقصد یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اگر ان ہی حالات سے دوچار ہوتا پڑے تو ہمت شکنی، حوصلہ فرسائی اور ملالت خاطر کی کوئی وجہ نہیں۔ ابتداء سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ صالحین، تعداد میں کم ہی ہوتے ہیں۔ اکثریت ہمیشہ نافرمان، ناخداترس جماعت ہی کی رہی ہے اس پر دلگیر ہونیکی کیا بات ہے؟

قوت وعزت الٰہی صالحین کیساتھ یہاں یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ صالحین، تعداد میں کم سہی مگر یہ خدائے قوی وعزیز کے چہیتے ہیں۔ ان کا کوئی بگاڑ نہیں سکتا۔ خواہ کسی فرعون، نمرود، شداد وہامان یا اور کسی دشمن مخفی ابلیس وشیطان سے ان کا مقابلہ ہو۔ بات اتنی ہے کہ اپنی صالحیت میں فرق نہ آنے دیں اور اپنی خداداد صلاحیت سے کام لیتے رہیں۔ حکم عدولی، نافرمانی شیوۂ مسلمانی نہیں۔

27 ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ

وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً

وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ

رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

پھر پیچھے بھیجے اُن کے قدموں پر اپنے رسول، پھر پیچھے بھیجا ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو اور اون کو دی ہم نے انجیل اور رکھ دی ان کے ساتھ چلنے والوں کے دل میں نرمی اور مہربانی، اور ایک ترک کرنا دنیا کا جو انھوں نے نئی بات نکالی تھی ہم نے نہیں لکھا تھا یہ اُن پر مگر کیا چاہنے کو اللہ کی رضامندی، پھر نہ نباہا اوس کو جیسا چاہیے تھا نباہنا، پھر دیا ہم نے اُن لوگوں کو اُن کا بدلہ اور بہت اُن میں نافرمان ہیں۔"

یعنی نوحؑ و ابراہیمؑ اور اون کے معاصر انبیا و رسل مثلاً لوطؑ کے بعد ہم نے اور بہت سے رسول بھیجے۔ جیسے حضرت نوحؑ کے بعد حضرات ہودؑ و صالحؑ، اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کے بعد حضرات اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، یوسف علیہم السلام مبعوث ہوئے جو اپنے پیش رو انبیا و رسل کے نقشِ قدم پر تھے کیوں کہ دینِ اسلام

جو ابتدا سے چلا آرہا تھا اوسی کی تبلیغ و اشاعت کے لئے تمام انبیاء و رسل تشریف
لائے جو بنی اسرائیل سے تھے اور سب کے آخر میں خاتم انبیائے بنی اسرائیل حضرت
عیسیٰ بن مریم علی نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام کو مبعوث کیا۔ اور اون کو انجیل دی
یعنی پوری کتاب دفعۃً واحدۃً آپ پر اتاری۔ قرآن کریم کا نزول جس طرح
نجماً نجماً تیئیس سال کے عرصہ میں ہوا اس طرح انجیل کا نزول نہ ہوا تھا بلکہ یہ کتاب
یک دم پوری اتاری گئی تھی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین جو حوارئین تھے اون کے
دلوں میں رأفت و رحمت ڈال دی گئی۔ رأفت یعنی لینت و نرمی اون لوگوں
مقابلہ میں جن کے ساتھ کوئی نہ کوئی سبب تعلق اور لگاؤ کا ہو۔ جیسے قرابت داری
سسرال، یا رضاعی رشتہ۔ یا اور کوئی تعلق۔ اور رحمت یعنی مہربانی و شفقت
اُن لوگوں کے مقابلہ میں جن کے ساتھ کوئی سبب تعلق اور لگاؤ کا نہ ہو جیسے اجنبی لوگ۔
دین عیسوی کی تعلیم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ احکام یہ تھے:۔

تعلیمات عیسوی | قیل لھم من لطم خدک الایمن فولہ خدک
الایسر ومن سلب رداءک فاعطہ قمیصک ولم یکن لھم قصاص
علی جنایۃ فی نفس او طرف۔ حضرت عیسیٰ کے متبعین کو احکام دیے گئے
تھے کہ اگر کوئی تمہاری داہنی گال پر طمانچہ رسید کرے تو اوس کے آگے اپنی بائیں

گال بھی پیش کردو (کہ بابا! اگر مارنا ہی چاہتے ہو تو لو اس گال پر بھی طمانچہ مار لو لیکن ہماری بات سنو اور نصیحت مانو) اور اگر کوئی تمھاری چادر چھین لے تو اپنا قمیص بھی اُتار کر اوس کے حوالہ کردو۔ (شریعت عیسویہ میں) قصاص (بدلہ لینے) کے احکام نہ تھے خواہ جان کا نقصان ہوا ہو یا کسی عضو کا"۔ چنانچہ یہود جس درجہ قسی القلب (سنگدل) واقع ہوئے تھے۔ نصاریٰ نہایت نرم دل رأفت و رحمت والے واقع ہوئے تھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ حد درجہ لطف و مرحمت کا سلوک کرتے۔

عہد موسوی بات یہ تھی کہ حضرت موسیٰؑ کو فرعون جیسے متکبر جبار بادشاہ کے مقابلہ میں بھیجا گیا تھا جس کا غرور اور تند خوئی اس درجہ تھی کہ وہ خود کو کہتا انا ربکم الاعلیٰ۔ "میں تمھارا رب اعلیٰ ہوں"۔ نعوذ باللہ نعوذ باللہ۔ اور یہی فرعونی صفات اوس کی قوم قبطیوں میں بھی تھیں۔ بنی اسرائیل بھی اون کے ساتھ رہتے رہتے سنگ دل بن گئے تھے۔ سنگدلی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اونھوں نے کئی انبیاء علیہم السلام کو شہید کردیا۔ جس کا بیان قرآن کریم میں متعدد جگہ آیا ہے مثلاً ثم قست قلوبکم من بعد ذلک فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ۔ پھر اس کے بعد اے بنی اسرائیل! تمھارے دل

سخت ہو گئے وہ پتھر کی طرح سخت بلکہ پتھر سے بھی سخت تر تھے"۔ ان حالات میں فرعون اور فرعونیوں کا دماغ سیدھا کرنے کے لئے حضرت موسیٰ ہی موزوں ہو سکتے تھے جن کا ایک طمانچہ بھی قبطی کو ختم کرنے کے لئے کافی تھا۔ اور فرعون کے مقابلہ کے لئے تو عصائے شریف بھی ساتھ تھی۔ فرعون اور فرعونیوں کے خاتمہ کے بعد اور یہود کا زور ٹوٹنے کے بعد نہ عصا کی ضرورت باقی تھی اور نہ موسوی طمانچہ کی وقت گزر گیا اور وقتیہ احکام بھی ختم ہو گئے۔

عہد عیسوی حضرت مسیح علیہ السلام مبعوث ہوئے اور حضور خاتم النبیین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کی آمد آمد کی بشارت سنانے کے لئے تشریف لائے اب ضرورت تھی حد درجہ نرمی اور لطف کی۔ اس لئے اول تو حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے شان اعجاز کے ساتھ صرف ماں سے پیدا کیا گیا۔ آپ کی ولادت میں صلب پدر کا تعلق نہ ہونے کے باعث یوں بھی صلابت آپ کی ذات میں نام کو تک نہ تھی۔ پھر آپ کو مذکور الصدر رأفت و رحمت کے احکام دئے گئے شریعت موسوی میں یہود کی شرارتوں کی بنا پر جو سختیاں رکھی گئی تھیں ان سب کو بدل دیا گیا مگر ظاہر ہے کہ یہ نرمی بھی وقتیہ تھی۔ ہمیشہ جاری رہنے والی بات نہ تھی۔ مشہور ہے:

درشتی و نرمی بہم در بہ است چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ است

عہد مبارک نبوی چنانچہ حضرت عیسیٰ کے بعد حضور رحمۃ للعالمین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تشریف فرما ہوئے۔ آپ فرمایا کرتے:۔ انا الضحوک القتول میں متبسم بھی ہوں اور قتل بھی کرنے والا۔" آپ کو رأفت و رحمت سے وہ بہرۂ وافر دیا گیا کہ "رؤف ورحیم" جو اللہ سبحانہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ ہیں۔ آپ کے بھی اسمائے مبارک قرار دئے گئے۔ ارشاد باری ہوا:۔ لقد جآءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم۔ بے شک تمھارے پاس تمھیں میں سے ایسے رسول تشریف لائے ہیں جن پر تمھاری مشقت شاق ہے تم پر حد درجہ حریص ہیں۔ نیز ایمان والوں پر بڑی رأفت رحمت سے کام لینے والے ہیں۔" فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولك۔ اللہ سبحانہ کی بڑی ہی مہربانی ہے کہ آپ نرم خو ہیں اگر درشت خو سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے اطراف سے ٹوٹ کر نکل بھاگتے۔" ساتھ ہی آپ کو حکم ہوا:۔ یا ایھا النبی حرض المومنین علی القتال۔ اے نبی! آپ ایمان والوں کو جنگ پر آمادہ کراتے رہیں۔"

بہرحال رأفت و رحمت اپنے وقت پر اون کے ساتھ جس کے وہ مستحق ہوں اور سختی بلکہ جنگ اون کے ساتھ جو بغیر اس کے نہیں مانتے کفر و فساد پر جمے ہوئے ہیں

ہر شخص کے ساتھ اور ہر وقت نرمی' یہ بھی کارآمد نہیں ۔ یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم ۔ اے نبی! کفار اور منافقین کے ساتھ لڑتے رہیں اور اون پر دباؤ ڈالتے رہیں"۔ اسی طرح آپ کے صحابہؓ کرام کے اوصاف یہ تھے :۔
والذین معہ اشدآء علی الکفار رحمآء بینھم ترٰھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔
جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ منکرین کے مقابلہ میں سخت' اور باہم مہربان' تم اون کو دیکھو تو رکوع کرتے سجدہ کرتے پاؤگے وہ سب کے سب اللہ سبحانہ کا فضل اور اوس کی خوشنودی چاہتے ہوں گے ۔ اون کی پیشانیوں پر آثار سجود نمایاں ہیں"۔

موسوی و عیسوی تعلیمات وقتیہ تھے

ہر وقت نرمی اور ہر ایک کے ساتھ نرمی یہ بھی ایک وقتیہ بات تھی ۔ ہمیشہ اس کو ہمیشہ قائم و برقرار نہیں رکھا جاسکتا ۔ شریعت موسوی کی طرح' شریعت عیسوی بھی قابل تبدیل تھی چنانچہ اوس کو بھی بدل دیا گیا ۔ عیسائیوں کا یہ خیال غلط ہے کہ عیسوی شریعت قیامت تک کارآمد ہے ۔ اگر ایسا ہوتا تو جنگ عظیم اور عالمگیر جنگ میں جبکہ جرمنی نے بلجیم اور پولینڈ پر حملہ کر دیا تھا' برطانیہ اور دیگر دول یورپ کو چاہیئے تھا کہ جرمنی کے حق میں اپنے اپنے تخت و تاج سے دست بردار ہو جاتے کیونکہ سلطنت کی

ایک گال پر جب کہ طمانچہ پڑ چکا تھا تو سلطنت کی دوسری گال بھی شریعت عیسوی کے حکم کے مطابق پیش کر دیتے یا بلجیم اور پولینڈ پر جرمنی کے قبضہ کرتے ہی لندن پیرس وغیرہ کا تخلیہ کر دیا جاتا کیونکہ جرمنی نے ان کی چادر کھینچ لی تو یہ اپنا قمیص بھی اتار کر اوس کے حوالے کر دیتے۔ مگر برطانیہ و فرانس نے ایسا نہیں کیا اور نہ وہ ایسا کر سکتے تھے۔ لامحالہ اون کو معتدل شریعت' شریعت مطہرہ محمدیہ پر عمل کرنا پڑا جس میں احکام دئے گئے ہیں: فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم۔ اگر کوئی تم پر دست درازی کرے تو تم بھی اوسی طرح دست درازی کا جواب دو جیسی دست درازی تم پر اوس نے کی ہے"۔ وان قاتلوکم فاقتلوھم اور اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی اُن سے لڑو" وان جنحوا للسلم فاجنح لھا۔ اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی آمادۂ صلح ہو جاؤ"۔ یہ احکام ایک معتدل شریعت کے ہیں اور تا قیامت جاری رہ سکتے ہیں۔

نصاریٰ کی رہبانیت آگے ارشاد ہو رہا ہے:۔ ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتھا۔ اور ترک دنیا جو خود ان کی اپنی ایجاد (بدعت) تھی۔ کچھ ہم نے ان پر فرض نہیں قرار دیا۔ خود اونھوں نے اس کو کیا محض اسلئے کہ اللہ سبحانہ کی رضامندی

حاصل ہو۔ پھر وہ اس کی نگہداشت جیسی کہ چاہیئے نہ کر سکے "۔

رہبانیت ایجاد نصاری حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اختلف من کان قبلنا علی ثنتین و سبعین فرقۃ نجا منھا ثلاث وھلك سائرھا فرقۃ وازت الملوك وقاتلتھم علی دین اللہ وعیسی بن مریم حتی قتلوا وفرقۃ لم یکن لھم طاقۃ بموازاۃ الملوك فاقاموا بین ظہرانی قومھم فدعوھم الی دین اللہ و دین عیسی فقتلتھم الملوك ونشرتھم بالمناشر وفرقۃ لم یکن لھم طاقۃ بموازاۃ الملوك ولا بالمقام معھم فساحوا فی الجبال وترھبوا فیھا وھم الذین قال اللہ ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتھا فاتینا الذین آمنوا منھم اجرھم الذین آمنوا بی وصدقونی و کثیر منھم فاسقون الذین کفروا بی وجحدونی (عبد بن حمید، حکیم ترمذی، ابویعلیٰ، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی، حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ، بیہقی، ابن عساکر عن ابن مسعودؓ) ہم سے پہلے جو اہل کتاب تھے وہ (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے۔ ان میں سے تین کی نجات ہوئی باقی برباد ہو گئے۔ ایک فرقہ وہ تھا جس نے

بادشاہوں کا مقابلہ کیا اور دین الٰہی اور دین عیسیٰ بن مریم کے لئے لڑتے رہے
تاآنکہ وہ شہید ہوگئے۔ دوسرا فرقہ وہ تھا جن کو بادشاہوں سے لڑنے کی
ہمت تو نہ تھی مگر اپنی قوم میں ٹھہرے رہے اور اون کو اللہ کے دین اور عیسیٰ بن
مریم کے دین کی دعوت دیتے رہے۔ بادشاہوں نے ان کو قتل کر دیا اور ان کو آرے سے
چیر دیا۔ تیسرا فرقہ وہ تھا جن میں نہ بادشاہوں کے مقابلہ کی سکت تھی اور نہ اون کے
ملک میں ٹھہرے رہنے کی ہمت، انھوں نے پہاڑوں کو اپنا مسکن بنایا اور
تارک الدنیا ہوگئے۔ ان ہی کے باب میں اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے ترک دنیا کا
طریقہ ایجاد کیا جس کو ہم نے ان پر فرض نہیں قرار دیا تھا بلکہ خود اونھوں نے
اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اختیار کیا تھا۔ پر وہ اوس کی نگہداشت
کما حقہ نہ کر سکے۔ لہٰذا ان میں سے جو لوگ ایمان لائے اون کو ہم نے اون کا
صلہ دے دیا۔ حضور اکرمؐ فرماتے ہیں یہ لوگ وہ ہیں جو مجھ پر ایمان لائے اور
میری تصدیق کی اور بہتیرے اُن میں بے حکم ہیں جنہوں نے مجھے نہ مانا اور میرا انکار کیا۔"

اسباب ایجاد رہبانیت ان فرقوں کا بادشاہوں سے مقابلہ و مقاتلہ
کس بنا پر تھا اور رہبانیت کا باعث کیا چیز ہوئی اوس کی صراحت حضرت
ابن عباسؓ فرماتے ہیں: — کانت ملوك بعد عیسی بدّلت التوراة

والانجیل فکان منھم مومنون یقرؤن التوراۃ والانجیل فقیل لملوکھم ما نجد شیئا اشد من شتم یشتمنا ھؤلاء انھم یقرأون ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظالمون ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون مع ما یعیبونا من اعمالنا فی قراءتھم فادعھم فلیقرأوا کما نقرأ ولیؤمنوا کما آمنا فدعاھم فجمعھم وعرض علیھم القتل او یترکوا قراءۃ التوراۃ والانجیل الا ما بدلوا منھا الحدیث۔ (نسائی، حکیم ترمذی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ) عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جو بادشاہ آئے اونھوں نے توریت و انجیل کے احکام بدل ڈالے۔ اب جو اہل ایمان رہ گئے تھے وہ توریت و انجیل پڑھتے پڑھاتے تھے (اور قوم میں احکام الٰہی کی تبلیغ کرتے تھے) تو بادشاہوں سے اون کے ہواخواہ کہنے لگے کہ ہم پر سخت تنقید، اور سب و شتم جیسا کہ یہ لوگ کرتے ہیں کوئی دوسرا طبقہ نہیں کرتا۔ یہ لوگ اس طرح پڑھتے پڑھاتے ہیں کہ اللہ کے نازل کئے ہوئے حکم کے مطابق جو فیصلے نہ کریں وہ کافر ہیں۔ اللہ کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق جو احکام نہ دیں وہ ظالم ہیں۔ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب میں جو احکام

درج ہیں اوس کے موافق جو احکام جاری نہ کریں وہ بدکار ہیں۔ اس کے ساتھ جو نکتہ چینیاں ہمارے کارناموں پر اون کے پڑھنے پڑھانے کے ضمن میں ہوتی رہتی ہیں وہ جدا ہیں۔ لہٰذا ان کو طلب کیا جائے (اور صاف صاف سنا دیا جائے کہ تبدیل و تغیر کی ہوئی کتاب) جیسی ہم پڑھتے ہیں اور اوس پر اعتقاد رکھتے ہیں یہ بھی اوس کو اسیطرح پڑھتے پڑھاتے رہیں اور اسی کا اعتقاد رکھیں چنانچہ پادشاہ نے اون کو بلا کر جمع کیا اور دو صورتیں پیش کیں۔ یا تو وہ اپنے قتل پر راضی ہو جائیں۔ یا توریت و انجیل کا پڑھنا پڑھانا چھوڑ دیں۔ ہاں تحریف کی ہوئی کتاب (جو حکومت کے منشا کے مطابق تیار کی گئی ہے اسکو) پڑھتے پڑھاتے رہیں تو اور بات ہے۔"

رہبانیت کیا ہے؟ | رہبانیت کیا تھی؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں:۔

الرهبانية المبالغة فى العبادة بمواصلة الصوم ولبس المسوح وترك اكل اللحم والامتناع عن المطعم والمشرب والملبس والنكاح والتعبد فى الغيران ومعناها الفعلة المنسوبة الى الرهبان وهو الخائف فان الرهبة مخافة مع تحزن واضطراب (روح البيان)

"رہبانیت" عبادت میں غلو کرنے کا نام ہے۔ مثلاً صوم وصال رکھنا، ٹاٹ پہننا

گوشت نہ کھانا' لذیذ کھانے پینے اور عمدہ لباس سے احتراز کرنا' نکاح نہ کرنا' غاروں میں ٹھہر کر عبادت کرتے رہنا' بہرحال تارک الدنیا لوگوں کے سے کام کرنا' رہبانیت ماخوذ ہے "رھب" سے۔ جس کے معنی ہیں غم اور بے چینی کے ساتھ ڈرتے رہنا۔

رہبانیت عہد موسوی کہتے ہیں کہ حضرت موسی علیہ السلام پر فرعون کے جادوگر جب ایمان لائے تو ان کی بڑی جماعت تھی اس جماعت میں جو رؤسا تھے ان کو تو فرعون نے سخت سزائیں تجویز کرکے ہلاک کر دیا۔ اس کے بیچ سے جو بچ رہے وہ حضرت موسیٰ کی اجازت سے پہاڑیوں میں چلے گئے۔ اور وہ وہیں عبادت کرتے کرتے ختم ہو گئے۔ گویا اس کا آغاز عہد موسوی ہی میں ہوا تھا۔ لیکن اس کا تسلسل قائم نہیں رہا۔ ساحروں کے ختم کے ساتھ رہبانیت بھی ختم ہو چکی تھی۔

رہبانیت عہد مسیحی پھر اس کا رواج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھا لیے جانے کے بعد از سر نو ہوا۔ اور اس کا سلسلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارک تک جاری رہا۔ حضرت عیسی علیہ السلام کے حواریین تو صداقت کے ساتھ رہبانیت پر قائم تھے مگر بعد کے لوگ قائم نہ رہ سکے۔ بعد والوں میں بھی جو صادقین تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق پرست پر ایمان لائے مگر یہ

بہت کم تھے، ما بقی لوگ جن کی تعداد زیادہ تھی اوسی آبائی طریق پر قائم رہے۔
ان ہی کی نسبت ارشاد باری ہو رہا ہے: — فآتینا الذین امنوا منھم اجرھم وکثیر منھم فاسقون۔ ایمان والوں کو تو ہم نے اون کا اجر دیا اور اون میں بہتیرے نافرمان تھے۔" بعثت مبارک کے بعد جبکہ شریعت عیسویہ منسوخ ہو گئی آنحضرتؐ پر ایمان لانے کے سوا چارہ نہ تھا۔ جب انھوں نے نہ مانا تو رہبانیت اگر صداقت کے ساتھ بھی ہو تو قابل قبول نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ رہبانیت کی آڑ میں ساری خباثتیں جاری وساری ہوں تو ان کی نجات کیوں کر ہو سکتی ہے؟

رہبانیت بدعت ہے بہر حال رہبانیت کا حکم اللہ سبحانہ نے نہیں دیا بلکہ یہ طریقہ نصاری کا خود ساختہ تھا۔ اس پر بھی وہ قائم نہ رہ سکے تو کس منہ سے دعوی کیا جا سکتا ہے کہ رہبانیت کا منشاء حق سبحانہ تعالی کی رضا جوئی اور اوسکی خوشنودی تھی؟ جب ایک امر غیر واجب کو اختیار کیا گیا تھا تو اوس پر قائم رہنا ضروری تھا کیوں کہ اس کی مثال نذر کی سی ہے کہ انسان اپنے ذمہ ایک چیز واجب کر لیتا ہے مثلاً یوں کہتا ہے کہ الہی! اگر میرا فلاں کام تکمیل پائے یا فلاں مقصد حاصل ہو تو میں اتنی رکعتیں نماز کی ادا کروں گا، اتنے روزے رکھوں گا، حج کروں گا، عمرہ بجا لاؤں گا۔ یا اتنی خیرات کروں گا وغیرہ۔

ایسی نذر انسان پر اللہ سبحانہ کی طرف سے واجب نہ تھی لیکن کسی بندے نے خود اوس کو لازم کر لیا تو حکم شرع شریف یہ ہے کہ اوس کام کے تکمیل پانے یا مقصد کے حاصل ہونے پر عبادت بدنی یا مالی جو کچھ خود پر لازم کرلی ہے اوس کا ایفاء کرے ایسا ایفاء واجب ہے۔ کیوں کہ یہ نذر اللہ سبحانہ کے ساتھ عہد ہے اور عہد کا ایفاء شرعاً واجب۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ ولیوفوا نذورھم۔ اور چاہئے کہ لوگ اپنی منتوں اور نذروں کا ایفا کریں" اگر نہ کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔ اور حق تعالیٰ کے پاس اوس کی جواب دہی کرنی ہوگی۔ بشرطیکہ نذر کسی امر مباح یا مندوب کی کی گئی ہو۔ جس کے کرنے کی شریعت میں اجازت دی گئی ہو یا اوس کی ترغیب دلائی گئی ہو۔ کسی امر مکروہ یا حرام کی نذر نہ ہو۔ کیونکہ مکروہ اور حرام کی نذر صحیح نہیں۔ جب نذر ہی صحیح نہیں تو اوس کا ایفاء بھی لازم نہیں بلکہ امر مکروہ سے دور رہنا مستحسن اور حرام سے دور رہنا واجب ہے۔

ابتداع کا حکم یہاں یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ محض ابتداع یعنی کسی چیز کی ایجاد جو سلف سے منقول نہ ہو بری نہیں اور نہ اس آیہ کریمہ میں اوس کی مذمت وارد ہوئی ہے بلکہ ایجاد کے بعد اوس پر قائم نہ رہنا برا ہے اور قرآن کریم میں اسی جزو کی مذمت وارد ہوئی ہے جیسا کہ ارشاد

باری عز اسمہٗ فما رعوھا حق رعایتھا سے ظاہر ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ جب ایک طریقہ جو واجب نہ تھا اوس کو ایجاد کر کے خود پر لازم کر لیا گیا تو اوس کی تکمیل ضروری ہو چکی ۔ اب اگر کوئی اوس کی تکمیل سے قاصر رہے تو یہ اوس کے حق میں برا ہے ۔ ایجاد کی حد تک اوس سے بازپرس نہیں لیکن عدم تکمیل کی صورت میں بازپرس ہوگی کیونکہ اللہ سبحانہ کے ساتھ عہد کر کے اوس کی خلاف ورزی کی ہے ۔

نفل شروع کر کے توڑنے کا حکم فتح الرحمٰن میں ہے :۔ واختلف الائمۃ فیما اذا انشأ صوما او صلاۃ تطوعا فقال ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ لم یجز لہ الخروج منہ فان افسدہ فعلیہ القضآء لقولہ تعالی ولا تبطلوا اعمالکم وقال مالک رحمہ اللہ کذلک الا انہ اعتبر العذر فقال ان خرج منہ لعذر فلا قضاء والا وجب وقال الشافعی واحمد رحمہما اللہ متی انشأ واحد منہما استحب اتمامہ فان خرج منہ لم یجب علیہ قضاء علی الاطلاق واما اذا کان التطوع حجا او عمرۃ فیلزم اتمامہ فان افسدہ وجب قضاؤہ لوجوب المضی فی فاسدہ ۔ اگر کوئی شخص نفل روزہ یا نماز شروع کرے تو ائمہ کرامؒ کے اقوال اس باب میں حسب ذیل ہیں ۔ امام ابو حنیفہؓ فرماتے ہیں کہ اوس کو ناتمام

چھوڑنا جائز نہیں اگر کوئی اوس نفل روزہ یا نماز کو توڑ دے تو اوس پر قضا واجب ہوگی۔ کیونکہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے :۔ ولا تبطلوا اعمالکم۔ اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔" مطلب یہ کہ نفل کو شروع کرنا تو انسان کا اختیاری امر ہے لیکن شروع کرنے کے بعد اوسکی تکمیل واجب ہے۔ شروع کرنا بھی ایک عمل ہے اگر بلا تکمیل چھوڑ دیگا تو عمل مذکور ضائع ہو جائے گا حالانکہ اللہ سبحانہٗ نے اس سے منع فرمایا ہے ارشاد ہے :۔ ولا تبطلوا اعمالکم۔ اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو" امام مالکؒ بھی یہی فرماتے ہیں مگر اون کے پاس عذر معتبر ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ اگر کسی عذر کی وجہ سے شروع کئے ہوئے نفل کو چھوڑ دیا تو اوس پر قضا واجب نہیں۔ ہاں اگر بلا عذر چھوڑا تو قضا کرے۔ امام شافعیؒ اور ہمارے امامؒ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ نفل روزہ یا نماز شروع کی تو اوس کی تکمیل مستحب ہے۔ اگر تکمیل نہ کی تو قضا واجب نہیں لیکن وہ نفل حج و عمرہ ہو تو تکمیل لازم ہے اگر اوس کو توڑ دے تو قضا کرے کیونکہ فاسد حج و عمرہ کی صورت میں بھی اوس کو جاری رکھنا واجب ہے۔"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ حضرت امام شافعی اور حضرت سیدنا امام احمد رضی اللہ عنہما کا استدلال اس آیہ کریمہ سے ہے :۔ واتموا الحج والعمرۃ للہ

حج اور عمرہ جو محض اللہ سبحانہ کی خوشنودی کے لئے کیا جاتا ہے اوس کی تکمیل کیا کرو"
چونکہ اتمام کا حکم حج و عمرہ کی حد تک ہے لہذا اگر کوئی ان کو شروع کر کے تکمیل کو نہ پہنچائے
تو اوس پر قضا واجب ہو گی۔ اگرچہ وہ حج و عمرہ نفل ہو۔ روزہ و نماز کے باب میں
چونکہ ایسی کوئی نص موجود نہیں اسلئے اون کا اتمام واجب نہیں مستحب ہے نیز
اون کے فاسد ہو جانے کی صورت میں قضا واجب نہ ہو گی۔ واللہ اعلم۔

امۃ مرحومہ کی کوئی ایجاد بدعت نہیں ایسی ایجادات جو سلف سے
منقول نہیں جیسا کہ امم سابقہ میں رہبانیت ایجاد ہوئی ہے اللہ سبحانہ نے
اوس کو "بدعت" کے نام سے یاد فرمایا لیکن امۃ مرحومہ کی ایسی کسی ایجاد کو
حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "سنت" کا لقب مرحمت فرمایا ہے۔
چنانچہ حدیث شریف ہے :۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین
من بعدی۔ تم پر میری سنت کا اتباع لازم ہے نیز خلفاء راشدین کی سنت کا بھی
اتباع جو میرے بعد ہوں گے" چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے
عہد خلافت میں جب باجماعت تراویح شروع ہوئی تو حضرت فاروق نے
مساجد کی رونق ملاحظہ فرماتے ہوئے یوں اظہار خیال فرمایا نعمت البدعۃ
ھذہٖ۔ یہ ایک اچھی بدعت (ایجاد) ہے"

تراویح کی پابندی کا حکم | ابو امامہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:-

ان اللہ کتب علیکم صیام شہر رمضان ولم یکتب علیکم قیامہ وانما القیام شیئ ابتدعتموہ فدوموا علیہ ولا تترکوہ فان ناسا من بنی اسرائیل ابتدعوا بدعۃ فعابھم اللہ بترکھا وتلا ھذہ الآیۃ ورھبانیۃ ابتدعوھا الآیۃ۔ (سعید بن منصور عبد بن حمید ابن جریر ابن مردویہ ابن نصر) اللہ سبحانہ نے تم پر صرف ماہ رمضان کے روزے فرض کئے ہیں (ماہ رمضان کی راتوں) میں قیام کرنا فرض نہیں ٹھہرایا۔ صرف تم لوگوں نے اس کو ایجاد کیا ہے۔ اب اوس کے پابند رہو اور قیام لیالی رمضان کو کبھی نہ چھوڑو۔ کیونکہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے بھی ایک نئی ایجاد کی تھی تو اللہ سبحانہ نے اوس کے ترک پر ادن کی مذمت فرمائی۔ پھر آیہ کریمہ و رھبانیۃ ابتدعوھا کی آخر تک تلاوت فرمائی۔"

تراویح بدعت حسنہ ہے | حضرت عمر فاروق یا ابو امامہ رضی اللہ تعالے عنہما کا تراویح کے آغاز کو "بدعت" کے نام سے یاد کرنا بطور تواضع و انکسار کے ہے۔ انسان کو یہی چاہئے کہ اپنے کام کو سراہا نہ کرے مگر ائمہ کرام اور فقہائے اسلام نے تراویح کا ذکر جہاں جہاں فرمایا اوس کو سنت خلفائے راشدین ہی کے

مبارک لقب سے یاد کیا ہے۔ جو حدیث شریف وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی کی پوری پوری تعمیل ہے۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امتہ مرحومہ کی ایجادات کو بھی سنت کا لقب مرحمت فرمایا ارشاد مبارک ہوا:۔

من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل علیھا ومن سن سنۃ سیئۃ فعلیہ وزرھا ووزر من عمل علیھا۔ جس نے کوئی اچھی سنت قائم کی تو اوس کو اوس ایجاد کا ثواب بھی ملیگا اور جتنے لوگ اوس پر عامل ہوں گے اون کا اجر بھی ملتا رہیگا۔ اور جس نے کوئی بری سنت قائم کی تو اوس پر اوس کی ذمہ داری بھی ہوگی نیز اون کی بھی ذمہ داریاں جو اوس پر عامل ہوا ہے۔

امتہ مرحومہ کی ایجاد کو سنت کہو اس حدیث شریف میں حضور روحی فداہ نے نہ صرف اچھی ایجاد کو سنت کا لقب مرحمت فرمایا بلکہ سنت سیئہ کو بھی سنت کا لقب سرفراز فرمایا۔ یہ صرف امتہ مرحومہ کی قدردانی اور قدر افزائی ہے۔ مگر بعض طبقات ہیں کہ مسلمانوں کے کام کو بدعت قرار دینے اور اسی نام سے یاد کرنے میں اون کو بڑا مزہ آتا ہے۔ اون کی تقریروں، تحریروں، تالیفات وغیرہ کو دیکھئے تو جابجا یہی لفظ ملیگا۔ بدعت بدعت۔ بدعتی بدعتی۔

بدعت کے اقسام واحکام خیر، امتہ مرحومہ کی کوئی ایجاد جو بموجب ارشاد مبارک نبوی

سنت ہے ان طبقات کی پسندیدہ اور پُرلطف اصطلاح کے مطابق بدعت ہی سہی۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ نفس ایجاد بری نہیں بلکہ اوس پر عمل ترک کر دینا اور اوسکی پابندی چھوڑ دینا بُرا ہے۔ بایں ہمہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم شریف میں فرماتے ہیں:۔ قال العلماء البدعة خمسة اقسام واجبة ومندوبة ومحرمة ومكروهة ومباحة فمن الواجبة تعلم ادلة المتكلمين للرد على الملاحدة والمبتدعين وشبه ذلك ومن المندوبة تصنيف كتب العلم وبناء المدارس والربط وغير ذلك ومن المباحة التبسط فى الوان الاطعمة وغير ذلك والحرام والمكروه ظاهران علماء فرماتے ہیں کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ واجب' مندوب' حرام' مکروہ اور مباح۔ علم کلام کے دلائل سیکھنا تاکہ اون کے ذریعہ ملاحدہ اور جدید فرقہ ہائے ضالہ کے جوابات دئے جا سکیں یہ بدعت واجبہ ہے (یعنی اگر ایسا نہ کریں تو امت گنہگار ہوگی)۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ علم کلام پڑھنا اوس وقت ضروری تھا جبکہ فلاسفہ اور مناطقہ اسلام پر اعتراض کرتے تھے۔ اب یہ گروہ ختم ہو گیا۔ خال خال اون کے افراد رہ گئے ہیں لہذا علم کلام اب واجب نہیں رہا بلکہ مندوب یا

مباح کے درجہ میں رہ گیا ہے۔ اب سائنس داں اور حکمت جدیدہ والوں سے سابقہ ہے لہذا ان کی تردید جدید علم کلام کے ذریعہ سے کرنی ہوگی۔ فی زماننا یہی واجب ہے۔ اور علم دین کی کتابیں تصنیف کرنا، مدارس دینی قائم کرنا، رباط اور خانقاہیں بنانا یہ سب بدعت مندوبہ میں داخل ہے۔ (اس کے کرنے میں اجر اور فضیلت ہے اگرچہ ایسا نہ کرنے میں مواخذہ نہیں۔ لیکن اسکو بھی آغاز کرنے کے بعد اتمام کو پہنچانا ضروری ہے جیسا کہ ابھی ابھی گزرا)۔ اور کھانے پینے میں وسعت سے کام لینا مثلاً دسترخوان پر الوان نعمت جمع کرنا یا ایسے ہی کام جن کی شریعت میں ممانعت یا مذمت وارد نہیں ہوئی یہ مباح ہے۔ اور ایسی بدعت کو بدعت مباحہ کہا جائے گا (یعنی کوئی اس پر عامل ہو تو اوس سے کوئی بازپرس نہیں اور عامل نہ ہو تو اوس سے بھی کوئی پرسش نہیں) اور ماںقی دو قسمیں یعنی بدعت محرمہ اور مکروہہ اوس کو سب ہی جانتے ہیں کیوں کہ محرمات و مکروہات ظاہر ہیں۔

امت مرحومہ کی ہر ایجاد لائق ملامت نہیں اس تقریر سے معلوم ہوا کہ بدعت کے نام سے ہی ملامت و مذمت شروع کر دینا صحیح نہیں ہے بلکہ بدعت کی تفصیل ہے جو اوپر گزری۔ احادیث شریفہ میں بدعت کی جو مذمت آئی ہے وہ

بدعت محرمہ ومکروہہ سے متعلق ہے۔ اوس کو واجبہ مندوبہ اور مباحہ تک وسعت دینا صحیح نہیں۔ بلکہ ان اقسام ثلاثہ کو بدعت کے نام سے یاد کرنا بھی تعلیمات نبویہ علی صاحبہا الف الف سلام وتحیہ کے مطابق نہیں حضور انور سید عالم تو اوس کو سنت کا لقب مرحمت فرمائیں اور قرآن کریم بدعت و ابتداع کو غیر مسلمین (اہل کتاب) تک محدود رکھے پھر نفس ابتداع کی بھی ندمت نہیں بلکہ اوس کا پابند نہ رہنے پر ملامت فرمائے۔ اور کوئی شرذمہ قلیلہ خود کو امۃ مرحومہ میں شمار کرتے ہوئے، واجب، مندوب، مباح میں فرق تک نہ جانتے ہوئے مختارات صالحین کو بدعت کہے۔ العجب ثم العجب۔

امۃ مرحومہ کی ایجادات کے بابتہ اقوال ان ایجادات کے متعلق علمائے کرام کی تصریحات مختلف ہیں ان میں سے چند اقوال کو اون کے دلائل کیساتھ پیش کیا جاتا ہے:۔

پہلا قول روح البیان میں ہے:۔ قال بعض الکبار جمیع ما ابتدع من السنۃ الحسنۃ علی طریق القربۃ الی اللّٰہ تعالی داخل فی الشریعۃ التی جاءت بھا الرسل عن امر اللّٰہ قال تعالی ورھبانیۃ الخ فاقرھم تعالی علیھا و لم یعب علیھم فعلھا انما عاب علیھم عدم رعایتھم

لها فی دوام العمل فقط وخلع علیها اسم البدعۃ فی حقهم
بخلاف هذه الامۃ خلع علی ما استحسنوہ اسم السنۃ تشریفا
لهم کما قال علیه الصلاۃ والسلام من سن سنۃ حسنۃ وما قال
من ابتدع بدعۃ حسنۃ فافهم۔ فاجاز لنا ابتداع ما هو حسن
وسماہ سنۃ وجعل فیه اجرا لمن ابتدعه ولمن عمل به۔ ایک قول
یہ ہے جس کو بعض اکابر نے فرمایا کہ اچھی ایجادات جو تقرب الی اللہ میں مفید ہوں
وہ بھی داخل شریعت ہیں جن کو پیغمبروں نے حکم الٰہی سے پہنچایا۔ ارشاد
باری تعالیٰ ورهبانیۃ الخ پڑھو کہ اللہ سبحانہ نے اہل کتاب کو اون کی اس
ایجاد پر برقرار رکھا اوس کی مذمت نہ فرمائی۔ صرف نگہداشت نہ کرنے اور
پابند نہ رہنے پر مذمت فرمائی۔ اور صرف اون کی ایجاد کو بدعت قرار دیا۔
برخلاف اس امۃ مرحومہ کے کہ جس امر کو یہ مستحسن جانیں اوس کو سنت کا لقب
دیا ان کی شان بڑھائی۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام الی ممر الدہور نے فرمایا
من سن سنۃ حسنۃ اور یہ نہیں فرمایا ابتدع بدعۃ حسنۃ۔ اس نکتہ کو
خوب سمجھو۔ دیکھو کہ اچھے طریقے قائم کرنے کی نہ صرف اجازت مرحمت فرمائی
اور اوس کا نام سنت رکھا بلکہ اوس کے قائم کرنے والے اور اوس کا اتباع

کرنے والوں کے لئے اجر کی صراحت فرمائی۔ اور ثواب ملتے رہنے کی بشارت دی"۔

مضمون صدر کی توضیح آخر آئے دن نئی نئی انجمنیں، جمعیتیں، کتب خانے دار المطالعے، مدارس، مکاتیب، لیگیں، کانفرنسیں، مجالس، محافل کیوں قائم کئے جاتے ہیں۔ اون کے قواعد کیوں بنتے ہیں۔ کیوں خاص خاص مقاصد و اغراض متعین کئے جاتے ہیں۔ کیا ان کے قائم کرنے والے ان میں شرکت کرنیوالے کام کرنے والے، چندہ دینے والے اور کسی نہ کسی طرح حصہ لینے والے سب عند اللہ ماخوذ، معتوب و مغضوب بلکہ جہنمی ہیں؟ نعوذ باللہ منہ نعوذ باللہ منہ اگر یہ سب ماخوذ و مغضوب ہی ہیں تو حدیث شریف مَنْ سَنَّ سنۃ حسنۃ کے مصداق کون ٹھہرینگے اور ماجور و مثاب کون ہوں گے؟ یہ امر دریافت طلب رہ جائے گا اور اس کا جواب ان معترضین ہی کے ذمہ رہیگا۔

امت مرحومہ میں موجد کی شان واخبران العابد للہ تعالی بما یعطیہ نظرہ اذا لم یکن علی شرع من اللہ معین انہ یحشر امۃ وحدہ بغیر امام یتبعہ کما قال تعالی فی ابراھیم ان ابراھیم کان امۃ قانتا للہ وذلک لنظرہ فی الادلۃ قبل ان یوحی الیہ۔ یہاں تک خبر دی گئی ہے کہ اللہ کا کوئی عبادت گزار بندہ جو محض اپنی نظرو

استدلال سے کام لیتا ہے اور اوس کی نظر اللہ سبحانہ کی اتاری ہوئی کسی معینہ
شرع پر نہیں ہوتی تو بھی صرف اوسی کو ایک امت بنا کر قیامت میں اُٹھایا
جائے گا وہ کسی امام کا متبع نہ ہوگا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی
شان میں اللہ سبحانہ نے فرمایا کہ بے شک ابراہیمؑ خود ایک امت تھے اللہ کے
مطیع بندے " یہ اس لئے فرمایا کہ وحی نازل ہونے سے پیشتر آپ کی نظر،
دلائل قدرت اور آیات اللہ پر تھی " یعنی ایک ستارہ کو دیکھ کر فرمایا کہ
کیا یہ میرا رب ہے۔ پھر وہ غروب ہو گیا تو فرمایا کہ اس طرح غروب ہو کر
چھپ جانے والا رب نہیں ہو سکتا۔ پھر چاند کو روشن دیکھ کر کہنے لگے کہ کیا
یہ میرا رب ہے؟ پھر وہ بھی غروب ہوا تو فرمایا کہ ایسے چھپ جانے والوں سے
مجھے کوئی محبت و دلچسپی نہیں۔ پھر آفتاب کو دیکھا کہ ان سب سے زیادہ روشن
اور چمکیلا ہے تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے اور یہ تو سب سے بڑا بھی ہے۔ جب وہ بھی
غروب ہو چکا تو فرمایا کہ میں ان سب سے بیزار ہوں میری توجہ تو اس ذات
کی طرف ہے جس نے آسمان و زمین اور ساری کائنات ٹھیک طور پر بنائی
میں اوس کے برابر کسی کو نہیں سمجھتا "

دوسرا قول | وقال بعضهم ما ابتدعه العلماء والعارفون

مما لم تصرح الشريعة بالامر به لايكون بدعة الا ان خالف صريح السنة فان لم يخالفها فهو محمود و ذالك كحلق الرأس ولبس المرقعات والرياضة بقلة الطعام والمنام والمواظبة على الذكر والجهر به على الهيئة المشهورة ونحو ذلك من جميع اوصافهم فانها كلها نواميس حكمية لم يجئ بها رسول الله عليه الصلاة والسلام فى عموم الناس من عند الله لكونها طريقة اهل الخصوص السالكين بطريق الحق وهذه الطريق لا تحتمل العامة الامر بها ولا تجب هى عليهم ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بعضوں نے فرمایا کہ علماء اور عارفین نے جو نئے طریقے نبلائے ہیں جنکی صراحت شرع شریف میں نہیں ہے اور نہ اوس کا حکم دیا گیا ہے بدعت نہیں ہوسکتے مگر اوسی صورت میں جب کہ سنت صریحہ کے خلاف ہوں اگر یہ خلاف سنت صریحہ نہیں ہیں تو یہ سارے طریق اچھے ہی ہیں۔ جیسے سر مونڈوانا، پیوند لگا کر گودڑیاں پہننا کھانا کم کھانا، کم سونا، ہمیشہ ذکر کرنا اور ذکر بالجہر معروف طریقہ پر کرنا وغیرہ جو بزرگوں کے اوصاف ہیں یہ سارے حکمت ہیں گو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام لوگوں کو

یہ باتیں نہیں پہنچائیں۔ یہ بھی اللہ سبحانہ ہی کی طرف سے ہیں یہ اسرار خاص ہیں جو خواص سالکین راہ حق کے ساتھ ہی مختص ہیں، رہے عوام وہ نہ اس کے متحمل ہو سکتے ہیں اور نہ عوام پر یہ امور واجب ہیں۔"

فقد علمت ان طریق القوم صادرۃ عن اللہ ولکن من غیر الطریق الصریح النبوی ولولا انہ علیہ الصلاۃ والسلام فتح لامتہ باب الاستنان ما اجترأ احد منھم علی ان یزید حکما ولا وضعا ففی الصحیح من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا۔ بیان صدر سے معلوم ہوا کہ ارباب طریقت کی یہ راہ بھی منجانب اللہ ہے جو تعلیمات نبویہ علی صاحبھا الف سلام وتحیہ میں صاف وصریح طور پر تو نہیں ملتیں لیکن اگر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت مرحومہ کے لیے "استنان" یعنی نئی راہ قائم کرنے کا دروازہ نہ کھولتے ہوتے تو امت میں سے کوئی بھی کسی حکم یا وضع قطع کے اضافہ کی کبھی جرأت نہ کر سکتا۔ چنانچہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جو کوئی اچھی راہ نکالتا ہے تو اوس کو اس راہ نکالنے کا اجر بھی ملتا رہتا ہے اور جو کوئی اس اچھی راہ پر گامزن ہوتے رہتے ہیں اون کا اجر بھی اوس راہ نکالنے والے کو ملتا رہتا ہے۔"

تیسرا قول وقال بعضهم مایصدر عن الواصل من الافعال شرعیۃ وکذا الباقی فلا بد من الاعتدال ولذلک قال علیہ الصلاۃ والسلام الشریعۃ اقوالی والطریقۃ اطواری والمعرفۃ رأس مالی والحقیقۃ نقد حالی۔ تیسرا قول یہ ہے کہ بعضوں نے کہا کہ واصل الی اللہ سے جو افعال بھی صادر ہوتے ہیں وہ سب دائرہ شریعت کے اندر ہیں (اوس سے اون کا کوئی فعل خارج نہیں) اسی طرح باقی ارباب طریق کے افعال بھی لہذا (افراط و تفریط سے ہٹ کر) اعتدال کی راہ اختیار کرنی ضروری ہے۔ چونکہ واصلین کے افعال دائرہ شریعت میں ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شریعت میرے اقوال ہیں اور طریقت میرے اطوار۔ معرفت میرا سرمایہ ہے اور حقیقت میرا نقد حال۔

چوتھا قول وقال بعضهم لا تبتدع فیوجب اللہ ذلک الابتداع علیک وفی شرعنا من سن سنۃ حسنۃ فما سماها بدعۃ فان شرعنا قد قررها فلیشکر اللہ صاحب هذہ البدعۃ ولیلزمها حیث الحقها بانبیائه ورسله واباح له ان یسن ماسنته الرسل مما یقرب الی اللہ تعالی ولا یخفی ان الکامل من عباد اللہ من سد باب الابتداع ولم یزد فی التکالیف حکما واحدا موافقۃ لمراد اللہ ومراد

رسول اللہ من طلب الرفق والرحمۃ۔ چوتھا قول یہ ہے کہ بعضوں نے فرمایا کہ کسی قسم کی ایجاد کرنا ہی نہیں ورنہ اللہ سبحانہ اوس کی پابندی تم پر واجب قرار دے گا۔ اور ہماری شریعت مطہرہ میں حدیث شریف من سن سنۃ حسنۃ کے ذریعہ ایسی ایجاد کا نام بدعت تو نہیں رکھا لیکن ہماری شریعت نے اوس کی برقراری کا حکم دیا۔ اب ایسے شخص کو اس ایجاد پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اوس کا پابند ہونا پڑے گا کیونکہ اللہ نے اوس کو انبیاء و مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کے ساتھ ملحق فرمادیا اور تقرب الی اللہ کے طور طریق بتانا جو پیغمبروں کا کام تھا اس شخص سے لے رہا ہے۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ اللہ کے بندوں میں کامل وہی ہے جو ایسی ایجادات کا دروازہ ہی بند کردے اور ان کی لطیف پابندیوں میں ایک حکم کا بھی اضافہ نہ کرے۔ اسی میں اللہ سبحانہ کی مراد اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منشائے مبارک کی موافقت اور بندگان خدا کے حق میں رفق و رحمت ہے۔"

پانچواں قول وقال بعضھم لا تجعل وردك غير ما ورد في الكتاب والسنة تكن من العلماء الادباء لانك حينئذ تجمع بين الذكر والتلاوة فيحصل لك اجر التالين والذاكرين فما ترك الكتاب

والسنۃ مرتبۃ یطلبھا الانسان من خیر الدنیا والآخرۃ الا و
قد ذکرھا فمن وضع من الفقراء وردا من غیر الوارد فی السنۃ
فقد اساء الادب مع اللہ ورسولہ الا ان یکون ذلک بتعریف
من اللہ فیعرفہ خصائص کلمات یجمعھا فیکون حینئذ ممتثلا
لا مخترعا۔ پانچواں قول یہ ہے کہ بعضوں نے فرمایا کہ اپنا وظیفہ کوئی ایسا
نہ مقرر کرو جو کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ میں مذکور نہ ہو۔ اس صورت میں
تمہارا شمار با ادب علماء میں ہوگا۔ کیونکہ تم اس صورت میں فضیلت ذکر و فضیلت
تلاوت دونوں کے جامع ہوں گے اور تم کو تلاوت کرنے والوں اور ذکر کرنیوالوں
دونوں کا اجر ملیگا کیونکہ کتاب وسنت نے خیر دنیا و آخرت کا کوئی درجہ جس کا انسان
طلبگار ہوتا ہے اوس کو ذکر کئے بغیر چھوڑا نہیں ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی فقیر
و درویش حدیثوں میں آئے ہوئے اوراد و وظائف کے سوا کوئی ورد یا وظیفہ
وضع کرے تو اوس نے خدا اور رسول کے ساتھ ادب کو ملحوظ نہ رکھا۔ ہاں بیداور بات
ہے کہ وہ ورد یا وظیفہ اللہ سبحانہ کی طرف سے معلوم کرایا گیا ہو اور چند کلمات کے
مجموعی خواص ہی اوس کو بتلا دئے گئے ہوں تو ایسی صورت خاص میں وہ تعمیل کنندہ
ہوگا ایجاد و اختراع کرنے والا نہ ہوگا۔"

حزب البحر اور دلائل الخیرات وغیرہ | وذلك مثل حزب البحر للشاذلی رحمہ اللہ ونحوہ فانہ رحمہ اللہ صرح بانہ ما وضع حرفا منہ الا باذن اللہ ورسولہ وقال من دعا بغیر ما دعا بہ رسول اللہ فھو مبتدع ۔ منجانب اللہ علم کرایا جانے کی مثال حضرت سیدی ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا حزب البحر ہے کیونکہ حضرت علیہ الرحمہ نے اوس میں صراحت سے فرمایا ہے کہ اس میں کا کوئی حرف بھی اذن و اجازت خدا اور رسول کے بغیر نہیں لکھا گیا اور آپ اس کے شدت سے قائل تھے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقولہ و ماثورہ دعاؤں کے سوا اگر کوئی شخص کوئی دعا کرے تو وہ بدعتی ہے" کتاب وسنت کی ایسی سخت پابندی کے باوجود آپ نے حزب البحر لکھا اور مذکورہ صراحت فرمائی تو معلوم ہوا کہ حزب البحر کی دعائیں اذن الٰہی و اجازت حضرت رسالت پناہی سے لکھی گئی ہیں لہٰذا یہ ادعیہ بھی حکماً ماثورہ ادعیہ میں ایک طرح شامل ہیں ۔ واللہ اعلم ۔

فقیر عرض کرتا ہے کہ یہی حکم دلائل الخیرات، جامع الصلوات، الصلوات الالفیہ اور حصن حصین شریف کا ہے ۔

چھٹا قول | وقال بعضھم العبد فی اداء الفرائض عبد اضطرار

و فی فعل النوافل عبد اختیار و عبودیۃ الاضطرار اشرف و اسلم
فی حقہ من عبودیۃ الاختیار لما قد یخطر بباله فی عبودیۃ الاختیار
من شائبۃ الامتنان و من ھھنا ترک اکابر الرجال من الملامیۃ
فعل النوافل و اقتصروا علی اداء الفرائض خوفا من خطور ذلک
علی قلوبھم فیجرح عبودیتھم۔ چھٹا قول یہ ہے کہ بعضوں نے فرمایا کہ
ادائے فرائض کے باب میں بندے کی بندگی اضطراری ہے (یعنی اوس کے
اپنے اختیار کو مطلقاً دخل نہیں وہ صرف حکم کی تعمیل کرتا ہے) اور نوافل کے
کرنے میں اوس کی بندگی اختیاری ہے (یعنی بندہ اپنی پسند سے نوافل میں
حصہ لیتا ہے) اور عبودیت اختیار کے مقابلہ میں عبودیت اضطراری
بندے کے حق میں زیادہ شرف رکھتی ہے اور بندے کی سلامتی بھی اسی میں
زیادہ تر ہے کیوں کہ عبودیت اختیار کی صورت میں کبھی بندے کے دل میں
یہ خطرہ گزرتا ہے کہ وہ نوافل میں حصہ لیکر احسان کرتا ہے اور اپنی منت رکھتا ہے
اسی اندیشہ سے جو ملامتیہ طبقہ کے بزرگ ہیں اونھوں نے ادائے فرض کی حد تک
خود کو محدود رکھا اور نوافل کی ادائی کا خیال بالکلیہ ترک کر دیا کہ اگر خطرۂ
امتنان ان کے دل میں پیدا ہوگا تو ان کی عبودیت ہی مجروح ہوگی ۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ علما و اکابر دین کے یہ چند منتخب اقوال ہیں ان میں قول پنجم معتدل ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ لا تشددوا علی انفسکم فیشدد علیکم فان قوما شددوا علی انفسھم فشدد علیھم فتلك بقایاھم فی الصوامع والدیارات رھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم۔ (ابو یعلیٰ) اپنی جانوں کو سختی میں نہ ڈالو پھر تم پر سختی کی جائے گی۔ کیونکہ ایک قوم نے خود پر تشدد کیا تو ان کو اوسی تشدد پر چھوڑ دیا گیا صومعوں اور دیر میں ان ہی کے بچے کچھے لوگ رہ گئے ہیں" فی زماننا جب کہ امت مرحومہ میں اختلافات کی کثرت ہے۔ یہی پانچواں قول بہتر اور اقرب الی الصواب ہے گو دیگر اقوال بھی اپنی اپنی جگہ درست ہیں ان پر اعتراض و انکار کی وجہ نہیں مگر بعض اصحاب کو بات بات پر اعتراض کی عادت سی ہوگئی ہے اور ہر نئی چیز کو بدعت کا لقب دینے اور ہر بدعت کو بدعت سیئہ اور ضلالت قرار دینے میں اون کو بڑا لطف آتا ہے اس لئے اس بارے میں جو اقوال ہیں اور ہر قول کی جو دلیل ہے اوس کی وضاحت کی گئی کہ اکابر دین پر اعتراض و انکار اون کے فیوض و برکات سے محرومی کا موجب ہے۔ اللہ سبحانہ

ہم کو اور تمام برادران اسلام کو توفیق ادب عطا فرمائے آمین۔

عارف رومیؒ فرماتے ہیں :۔

از خدا خواہیم توفیقِ ادب بے ادب محروم ماند از لُطفِ رب

ایک ضروری گزارش اسی سلسلے میں ایک اور ضروری گزارش ہے۔

حِکَم عطائیہ میں ہے :۔ من علامة اتباع الهوی المسارعة الی نوافل الخیرات والتکاسل عن القیام بحقوق الواجبات وهذا حال غالب الخلق الا من عصمه الله ترى الواحد منهم یقوم بالنوافل الکثیرة ولا یقوم بفرض واحد علی وجهه ۔ خواہش نفس کے اتباع کی ایک کھلی نشانی یہ ہے کہ کارہائے خیر جو درجۂ نفل میں ہیں اون کی طرف تو سبقت کی جاتی ہے لیکن واجبات خواہ اون کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے اون کے پابند ہونے میں سستی سے کام لیا جاتا ہے اور اکثر لوگوں کا یہی حال ہے مگر وہ جن کو اللہ سبحانہ نے اس سے محفوظ رکھا۔ چنانچہ آپ بھی دیکھتے ہوں گے کہ ان میں کا ایک ایک شخص نوافل میں (جو انسان پر واجب نہیں محض اوس کا اختیاری امر ہے) بکثرت حصہ لیتا رہتا ہے اور اگر کسی فرض کی نوبت آئے (جس کی ادائگی سے مفر نہیں) تو اوس کو

کما ینبغی ادا کرنے پر مائل ہوتا نظر نہیں آتا۔"

عرض فقیر فقیر کا مشاہدہ ہے کہ بعض مریدین اوراد و وظائف ذکر و شغل حتیٰ کہ قیام لیل اور تہجد کے تو سختی سے پابند ہیں۔ اللہ سبحانہ اون کے اس ذوق و شوق میں اور اضافہ فرمائے اور اپنی گوناگوں رحمتوں اور برکات سے مالا مال کرے۔ لیکن اگر اون کو فقہ کا کوئی رسالہ جس میں طہارت و نماز کے ضروری مسائل درج ہوں مثلاً کشف الخلاصہ کو دیکھ لینے کی جانب توجہ دلائی جائے تو اون کو اس طرف اتنی رغبت نہیں ہوتی۔ حالاں کہ وظیفہ یا ذکر، قیام لیل اور تہجد اگر احیاناً ترک ہو جائے تو اُن سے اس کا سوال نہ ہوگا کہ کیوں ترک کیا۔ بخلاف طہارت و نماز وغیرہ کے فرائض کی ادائی میں اگر خلل ہوگا تو اوس کا سوال ہوگا۔ اور طہارت کے نقص کا اثر تو صحت نماز پر بھی پڑے گا۔ مگر اون کو توجہ نہیں ہوتی۔ واللہ الموفق۔

ایک سوال اور اُس کا جواب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدانخواستہ اگر امتہ مرحومہ پر بھی کبھی ایسا دور آجائے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امتہ پر آپ کے بعد درپیش ہوا تھا تو اوس صورت میں حکم کیا ہے اور راہ عمل کیا ہوگی؟ اس کا جواب وہی ہے جو صحیح بخاری میں ہے

جس کی حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے:۔

کان الناس یسألون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الخیر وکنت اسألہ عن الشر مخافۃ ان یدرکنی فقلت یا رسول اللہ انا کنا فی جاھلیۃ وشر فجاءنا اللہ بھذا الخیر فھل بعد ھذا الخیر من شر قال نعم قلت وھل بعد ذلک الشر من خیر قال نعم وفیہ دخن قلت وما دخنہ قال قوم یھدون بغیر ھدیی تعرف منھم وتنکر قال قلت فھل بعد ذلک الخیر من شر قال نعم دعاۃ علی ابواب جھنم من اجابھم الیھا قذفوہ فیھا قلت یا رسول اللہ صفھم لنا قال ھم من جلدتنا ویتکلمون بالسنتنا قلت فما تامرنی ان ادرکنی ذلک قال تلزم جماعۃ المسلمین وامامھم قلت فان لم یکن لھم جماعۃ ولا امام قال فاعتزل تلک الفرق کلھا ولوان تعض باصل شجرۃ حتی یدرکک الموت وانت علی ذلک۔ (حضرت حذیفہ رضؓ فرماتے ہیں) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لوگ خیر کے بارے میں دریافت کیا کرتے اور میں آپ سے شر کی بابت دریافت کرتا تھا اس اندیشے سے کہ شاید مجھے اوس سے سابقہ ہو

چنانچہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم جاہلیت اور شر میں تھے اللہ نے ہم کو یہ عہد خیر دکھایا۔ تو کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہے؟ فرمایا ہاں۔ میں نے عرض کیا۔ کیا اس شر کے بعد پھر کوئی خیر ہے؟ فرمایا ہاں لیکن اس میں کچھ دھندلاپن ہے۔ میں نے عرض کیا وہ دھندلاپن کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ وہ ایسی قوم ہے جو میری سنت سے ہٹی ہوئی اون کی کوئی اور روش ہوگی۔ بعض باتیں ملتی ہوئی اور بعض اوس سے ہٹی ہوئی۔ میں نے پھر عرض کیا۔ کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر ہوگا۔ ارشاد فرمایا ہاں جو جہنم کے کنارہ پر گلہ بانی کرتے ہوں گے۔ جو کوئی اون کی دعوت قبول کرے گا اوس کو جہنم میں جھونک دیں گے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! ان کا کچھ وصف بیان فرمایئے۔ ارشاد مبارک ہوا ان کا ظاہر حال ہم جیسا ہوگا اور ہم جیسی زبان ہی میں کلام کریں گے۔ میں نے عرض کیا اگر وہ دور مجھے مل جائے تو آپ مجھے کیا حکم فرماتے ہیں؟ فرمایا مسلمانوں کی جماعت اور اون کے امام کو پکڑے رہو (ان سے جدا نہ ہو) میں نے عرض کیا۔ اگر اون کی کوئی جماعت نہ ہو اور نہ کوئی امام ہو تو؟ فرمایا اُن سب سے نکل کر عزلت گزیں ہو جاؤ۔ گو عزلت کتنی ہی دشوار گزار ہو جائے

تا آں کہ تمہارا وقت آخر آپہنچے اوس وقت تک اسی حالت پر قائم رہو۔"

جواب صدر کی تائید دوسرے موقع پر حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "یوشك ان یکون خیر مال المسلم غنم یتبع بها شعف الجبال ومواقع القطر یفر بدینه من الفتن۔

(بخاری عن ابی سعید الخدریؓ) وہ زمانہ بھی قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جن کو ساتھ لے کر پہاڑ کی چوٹیوں اور وادیوں میں پہنچ جاؤ تاکہ فتنوں سے اپنے دین کو بچائے رکھو۔" خلاصہ یہ کہ اگر ایسے فتنے درپیش ہوں کہ اون کا مداوا نہ ہو سکے تو مسلمان عزلت گزیں ہو جائیں یا کسی اور جگہ چلے جائیں۔ اور وہیں اپنا ٹھکانا کرلیں۔ یہ ٹھکانا بنالینا صرف مردوں کا نہیں ہے بلکہ مرد عورتیں بچے سب وہاں ایک ساتھ رہیں گے۔

رہبانیت نصاریٰ اور جواب صدر میں فرق یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ یہ عزلت گزینی یا آبادی سے دوری یہ بھی تو رہبانیت ہی ہے۔ کیوں کہ ایسا خیال کرلینا صحیح نہیں۔ رہبانیت کی صراحت اوپر گزر چکی ہے کہ مسلسل بلا افطار روزے رکھنا، ٹاٹ پہننا، گوشت ترک کرنا، کھانے پینے، لباس اور نکاح سے دور رہنا اور غاروں میں عبادت کرنا، یہ نہتی

رہبانیت جس کی شریعت محمدیہ میں ممانعت وارد ہوئی"۔ چنانچہ مروی ہے:
ان نفرا من الصحابة رضی الله عنهم اخذ هم الخوف والخشية
حتی اراد بعضهم ان یعتزل عن النساء وبعضهم الاقامة
فی رؤس الجبال وبعضهم ترك الاکل والشرب وبعضهم
غیر ذلك فنهاهم علیه الصلاة والسلام عن ذلك كله وقال
لا رهبانیة فی الاسلام وقال رهبانیة امتی فی المساجد دون
رؤوس الجبال۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت پر خوف وخشیت الٰہی کا
غلبہ ہوا تو کسی نے یہ ارادہ کر لیا کہ عورتوں سے دور رہیں گے، کسی نے پہاڑوں
میں بیٹھ جانے کی ٹھان لی، کسی نے کھانا پینا ترک کر دینا چاہا، کسی نے اور کچھ
صورت تجویز کی۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب باتوں سے
روک دیا اور فرمایا کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ میری امت کی رہبانیت
مساجد میں معتکف رہنا ہے نہ کہ پہاڑوں پر جا بیٹھنا"۔

امت مرحومہ کی رہبانیت حدیث شریف یہ بھی ہے جس میں ابن ام معبد رضی اللہ عنہ
فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا:
یا ابن ام معبد اتدری ما رهبانیة امتی قلت الله ورسوله اعلم

قال الهجرة والجهاد والصلاة والصوم والحج والعمرة والتكبير على التلاع ۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا اے ام معبد کے بیٹے تمھیں معلوم ہے کہ میری امت کی رہبانیت کیا ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اوس کے رسول بہتر جانتے ہیں ۔ فرمایا کہ ہجرت، جہاد، نماز، روزہ، حج، عمرہ، اور بلندیوں پر تکبیریں (زور سے زور سے) پڑھنا"۔ چنانچہ سیدنا عثمانؓ کی شہادت، واقعہ فاجعۂ کربلا، واقعہ حرّہ، اور حضرت ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد، جب کہ خیار امت خال خال رہ گئے تو ان میں سے بہتیرے ماجدمیں معتکف ہو گئے اور گوشہ نشینی اختیار فرمائی ۔ جہاد فی سبیل اللہ پر قدرت نہ رہی تو نفس و شیطان کے جہاد میں مشغول ہو گئے جو جہاد اکبر ہے ۔ فقر اختیار کیا اور اہل صفہ کی سی زندگی اختیار کی ۔ صوفیہ ان کا لقب قرار پایا ۔ ورع، صدق، منازل، احوال، مقامات، جو صوفیہ کرام کی اصطلاحات ہیں اوس کے مطابق کلام کرنے لگے ۔ لیکن تارک الدنیا نہ ہوئے جیسی صفت کہ نصاریٰ کے راہبوں نے اختیار کی تھی ۔

سلمہ بن اکوعؓ کی عزلت گزینی | چنانچہ حضرت سلمہ بن الکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صحابی رسولؐ ہیں (اور جن سے بھیڑیا ہم کلام ہوا تھا) آپ کا واقعہ آپکے

شاگرد خاص، یزید بن ابی عبیدؒ بیان کرتے ہیں جو بخاری شریف میں ہے:-
انہ دخل علی الحجاج فقال یا ابن الاکوع ارتددت علی عقبیک تعربت قال لا ولکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذن لی فی البدو وعن یزید بن ابی عبید قال لما قتل عثمان بن عفان خرج سلمۃ بن الاکوع الی الربذۃ وتزوج ھنالک امرأۃ وولدت لہ اولادا فلم یزل بھا حتی قبل ان یموت بلیال فنزل المدینۃ۔
سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ حجاج بن یوسف کے پاس تشریف لے گئے تو اُس نے کہا۔ ابن اکوع! آپ تو الٹے پاؤں پلٹ گئے آپ نے اعرابیوں میں اپنی سکونت اختیار کر لی (اس گفتگو سے حجاج کا مطلب یہ تھا کہ آپ تو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے۔ پھر اعرابیوں میں جا کر ٹھہر گئے تو ہجرت ٹوٹ گئی اور مستحق قتل ٹھہرے۔) آپ نے جواب دیا نہیں نہیں بلکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مدینہ سے باہر ٹھہرنے کی اجازت سرفراز فرمائی تھی۔ یزید بن ابی عبید پورا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہوئی تو سلمہ بن اکوعؓ مقام ربذہ میں مدینہ سے دور جا ٹھہرے۔ وہاں آپ نے نکاح کر لیا

آپ کے اولاد ہوئی۔ آپ بقیہ عمر وہیں مقیم رہے (خدا کی قدرت کہ) وفات
کے لئے چند ہی راتیں باقی رہ گئی تھیں کہ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے (اور یہیں وفات
پائی)۔" اس روایت سے پایا جاتا ہے کہ ایام فتنہ وفساد میں مسلمان کو اگر
عزلت گزینی، گوشہ نشینی اختیار کرنی بھی پڑے تو اس کے معنی رہبانیت اور
ترک دنیا کے نہیں بلکہ راہبوں کے خلاف، ان حالات میں بھی نکاح کرنا چاہیے۔
جیسا کہ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے احوال سے معلوم ہوا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ
كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ
29 لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۙ لِئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَلَّا يَقْدِرُونَ
عَلَىٰ شَيْءٍ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ
يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ اے ایمان والو! ڈرتے رہو
اللہ سے اور یقین لاؤ اس کے رسول پر، دیویگا تم کو دو حصے اپنی رحمت سے
اور رکھ دیگا تم میں روشنی جس کو لئے پھرو، اور تم کو معاف کریگا اور اللہ
معاف کرنے والا ہے مہربان، تاکہ نہ جانیں کتاب والے کہ پا نہیں سکتے
کوئی چیز اللہ کے فضل میں سے اور یہ کہ بزرگی اللہ کے ہاتھ ہے دیتا ہے،

(آیت ۲۸ و ۲۹) ع ۲۰

جس کو چاہے، اور اللہ کا فضل بڑا ہے۔"

شانِ نزول حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :- ان اربعین من اصحاب النجاشی قدموا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فشھدوا معہ احدا فکانت فیھم جراحات ولم یقتل منھم احد فلما رأوا ما بالمومنین من الحاجۃ قالوا یا رسول اللہ انا اھل میسرۃ فائذن لنا نجیئ باموالنا نواسی بھا المسلمین فانزل اللہ فیھم الذین آتیناھم الکتاب من قبلھم ھم بہ یومنون الی قولہ اولئک یوتون اجرھم مرتین بما صبروا فجعل لھم اجرین قال ویدرأون بالحسنۃ السیئۃ قال ای النفقۃ التی واسوا بھا المسلمین فلما نزلت ھذہ الآیۃ قالوا یا معاشر المسلمین اما من آمن منا بکتابکم فلہ اجران ومن لم یومن بکتابکم فلہ اجر کاجورکم فانزل اللہ یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وآمنوا برسولہ یوتکم کفلین من رحمتہ ویجعل لکم نورا تمشون بہ ویغفر لکم فزادھم النور والمغفرۃ۔ (طبرانی) نجاشی (شاہ حبشہ) کے چالیس مصاحبین حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے

(اس وقت غزوۂ احد در پیش تھا) یہ بھی اوس میں شریک ہوئے اور ان کو
زخم بھی آئے مگر کسی کی شہادت کی نوبت نہیں آئی۔ جب انھوں نے صحابہ کرام
کی احتیاج کا مشاہدہ کیا تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم خوش حال ہیں اجازت
مبارک ہو تو اپنا مال و متاع لا کر مسلمانوں کی کچھ خدمت کریں۔ اس پر
الذین اتیناھم الکتاب والی آیات کریمہ نازل ہوئیں جن میں اون کو
دوہرے اجر کی بشارت دی گئی اور ان کا یہ وصف بتایا گیا کہ یہ برائی کا
جواب بھلائی سے دیتے ہیں اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے رہتے ہیں چنانچہ
اونھوں نے مسلمانوں پر بھی کچھ خرچ کیا۔ اس پر وہ فخریہ کہنے لگے: مسلمانو!
ہم میں سے جو لوگ تمھاری کتاب (قرآن کریم) پر ایمان رکھتے ہیں اون کو
دو دو اجر اور جو ایمان نہیں رکھتے اون کو ایک اجر تمھاری طرح ملیگا۔ اس وقت
یہ آیت نازل ہوئی کہ ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اوس کے رسول پر
یقین رکھو تو اللہ سبحانہ تم کو اپنی رحمت کے دو حصے دیگا اور روشنی تمھارے
ساتھ رہیگی۔ اور تم کو معافی دیگا۔ اس طرح مسلمانوں کو مخاطب کر کے
مومنین اہل کتاب پر یہ فضیلت دی کہ علاوہ رحمت کے دو حصوں کے نور اور
مغفرت کا اضافہ فرمایا۔"

کِفلین کی تفسیر یہی نہیں بلکہ کفلین کی تفسیر میں حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں:۔ الکفل ثلاث مائۃ جزء وخمسون جزء من رحمۃ اللہ۔ (فریابی، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) ایک ایک "کِفل" حق سبحانہ تعالیٰ کی رحمت کے ساڑھے تین سو اجزا کا ہوتا ہے۔" ابو علابہ کی روایت میں ہے:۔ الکفل ثلاث مائۃ جزا من الرحمۃ۔ (عبد بن حمید) رحمت کے تین سو اجزا کو "کفل" کہتے ہیں۔ گویا اس طرح دو کفل کے چھ سو سات سو اجزائے رحمت ہیں جو مسلمانوں کو ملیں گے۔ جو مومنین اہل کتاب کے دونے اجر کے مقابلہ میں کہیں زائد ہیں۔ پھر نور و مغفرت کا اس پر اضافہ ہے۔ نیز یہ کہ جو اہل کتاب حضرت رسول کریم اور قرآن کریم پر ایمان نہیں لائے اونکی نسبت مومنین اہل کتاب کا یہ ادعا کہ وہ بھی مسلمانوں کی طرح ایک اجر پائیں گے غلط ہے۔ ان کو کچھ بھی نہیں ملیگا کیوں کہ جب تک بلاتفریق تمام انبیا علیہم السلام ایمان نہ ہو کسی کو نجات نہیں مل سکتی۔ ان کا ایمان چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نہیں ہے لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر ان کا جو ایمان ہے وہ بھی غیر معتبر اور نامقبول ہے۔ خود حضرت مسیحؑ نے حضور انورؐ کی بشارت دی ہے اس بشارت کبریٰ کو نہ ماننا حضرت مسیحؑ کا بھی انکار ہے۔

کِفل کے لغوی معنی راغب اصبہانی لکھتے ہیں:۔ الکفل الحظ الذی فیہ الکفالۃ کانہ تکفل بامرہ والکفلان ھما النصیبان المرغوب فیھما بقولہ تعالیٰ ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ۔ "کِفل" اوس حصہ کو کہتے ہیں جس میں ضمانت دی گئی ہو گویا کہ اللہ سبحانہ اہل ایمان کی ضروریات کا کفیل ہو چکا ہے اور "کِفلان" بصیغۂ تثنیہ دو حصے ہوئے جن کا انسان کو شوق و رغبت ہو۔ ہر انسان یہی چاہتا ہے کہ اوس کی حاجات دنیوی اور حاجات اخروی دونوں کی تکمیل کی ضمانت دی جائے چنانچہ یہی دعا کی جاتی ہے کہ پروردگار ہمارے! ہم کو دنیا میں بھی بھلائی دیجئے اور آخرت میں بھی بھلائی دیجئے۔ اس استدعا کے مطابق اللہ سبحانہ دونوں جہاں کے حاجات کا اہل ایمان کے حق میں کفیل اور ضامن ہو چکا ہے اور نہ صرف کفیل ہوا بلکہ نور کا وعدہ فرمایا جو مومن کے ساتھ ساتھ رہیگا وہ جدھر بھی جائے۔ اور مغفرت نصیب ہوگی۔ اور کیا چاہیئے؟

فضل الٰہی پر کسی کو قابو نہیں لئلا یعلم اھل الکتب الا یقدرون علی شیئ من فضل اللہ وان الفضل بید اللہ یوتیہ من یشاء۔ تا اہل کتاب کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کے فضل پر اون کو کچھ بھی اقتدار نہیں ہے۔

تمام فضل اللہ ہی کے ہاتھ ہے اوسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اب اوس کو اقتدار کامل حاصل ہے کہ جس کو چاہے اور جتنا چاہے اپنے فضل سے حصہ دے یا اوس کو جس کے ساتھ چاہے مختص فرمائے۔

فضل کی تفسیر فضل کے اصل معنی افزونی ثواب اور زیادتی اجر کے ہیں ایک تو کام کا صلہ ہوتا ہے دوسرا اوس پر مزید انعام۔ کہ مالک کسی سے خوش ہوتا ہے تو صلۂ کار کے علاوہ جو مقررہ معاوضہ ہے اپنے پاس سے مزید انعام دیتا ہے۔ اس کی کوئی حد معین نہیں۔ مالک کو اختیار ہے کہ جتنا چاہے دے کسی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

انما مثلنا ومثل الذین اوتوا الکتاب من قبلنا مثل رجل استاجر اجراء فقال من یعمل الی آخر النہار علی قیراط قیراط فعمل قوم ثم ترکوا العمل نصف النہار ثم قال من یعمل نصف النہار الی آخر النہار علی قیراط قیراط فعمل قوم الی العصر علی قیراط قیراط ثم ترکوا العمل ثم قال من یعمل الی اللیل علی قیراطین قیراطین فعمل قوم الی اللیل علی قیراطین قیراطین فقال الطائفتان الاولیان مالنا اکثر عملا واقل اجرا فقال ہل نقصتکم من حقکم شیئا قالوا لا قال

ذلك فضلی اوتیه من اشاء۔ ہماری مثال اور ہم سے پیشتر جن کو کتاب
دی گئی اون کی مثال اوس شخص کی سی ہے جس نے چند مزدور اجرت پر لئے
اور فرمایا وہ کون ہے جو دن بھر ایک ایک قیراط پر کام کرے۔ اس بنا پر
چند لوگوں نے کام شروع کیا اور نصف دن کام پر لگے رہے (پھر تھک کر
بیٹھ گئے) پھر اوس شخص نے کہا کوئی ہے جو نصف النہار سے دن ختم ہونے
تک کام کرتا رہے اوس کو بھی ایک ایک قیراط ملیگا۔ اب دوسری جماعت
کام پر چڑھی اور عصر تک کام کیا (پھر یہ بھی تھک گئے) پھر اوس نے کہا
کوئی ہے جو شام تک کام کرے اوس کو دو دو قیراط دئے جائیں گے۔ اب
ایک تیسری قوم آئی اور دو دو قیراط پر شام تک کام کرتی رہی (شام کو ہر جماعت نے
اپنا اپنا حق لے لیا۔) اب پہلی دو جماعتیں کہنے لگیں کیا بات ہے کہ ہمارا
کام تو زیادہ مگر اجرت کم۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ تمھارا جتنا حق تھا کیا
اوس سے تم کو کم دیا گیا؟ بولے نہیں۔ فرمایا وہ میرا مزید انعام ہے جس کو
جتنا چاہوں دوں"

وقت عصر پر حنفیہ کا استدلال یہ پہلی جماعت، یہود، دوسری نصاریٰ
ہے، اور تیسری حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت مرحومہ ہے

جن کو تھوڑے سے عمل پر دونا اجر ملتا ہے۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اس حدیث شریف سے یہ استدلال فرمایا ہے کہ نماز عصر کا وقت، ظہر کے مقابلہ میں کم ہے عصر کا وقت ہر چیز کا سایہ دو مثل ہونے پر شروع ہوتا ہے اور دو مثل سے قبل تک ظہر کا وقت باقی رہتا ہے۔ واللہ اعلم۔

مضمون بالا کا خلاصہ بہر حال اہل کتاب کو اگلے پیغمبروں کے حالات پڑھکر پچھتاوا ہوتا تھا کہ ہم اون کے ساتھ نہ رہے۔ اُن سے دور پڑ گئے۔ اگر پیغمبروں کے زمانہ میں ہوتے تو ہم کو دوہرا اجر ملتا۔ اللہ سبحانہ نے اُن کے اس خیال کو دفع فرمایا کہ اگر اگلے پیغمبروں کا ساتھ میسر نہ ہوا تو کیا مضائقہ ہے! ہم نے نبی آخر الزماںؐ کو مبعوث کیا ہے اگر ان کا اتباع کرو تو دونا اجر پاؤگے اور گزشتہ خطاؤں کی معافی ملیگی اور روشنی مرحمت ہوگی۔ یہ مزید فضل و انعام ہے۔ اور جو آپ کا اتباع نہ کریں گے وہ ان تمام انعامات سے محروم رہیں گے۔

آیہ لئلا یعلم کی دوسری تفسیر یہاں مفسرین کرام کا ایک قول اور ہے وہ یہ کہ ارشاد باری تعالیٰ لئلا یعلم میں کلمہ "لا" زائد ہے جس کے کچھ معنی نہیں۔ قرینہ موجود ہو تو کلام عرب میں اس طرح کلمہ "لا" زائد آیا کرتا ہے

خود قرآن کریم میں دوسری جگہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:۔ قال یا ابلیس ما منعک الا تسجد۔ اللہ سبحانہ نے فرمایا اے ابلیس! تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے باز رکھا" یہاں بھی کلمہ "لا" زائد ہے جس کے کچھ معنی نہیں۔ اور الا تسجد بمعنی ان تسجد ہے اکثر سلف سے اسی طرح منقول ہے لیکن ہم نے شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی علیہ الرحمہ کا مسلک یہاں اختیار کیا ہے اس وجہ سے کہ کلام باری تعالیٰ میں کلمہ "لا" کو زائد قرار دینے کے مقابلہ میں اوس کو اصلی قرار دینا بہتر ہے اور معنی بھی درست ہوتے ہیں۔ اسی طرح الا تسجد میں بھی لا زائدہ تسلیم کرنے کے عوض اگر اصلیہ تسلیم کیا جائے تو اس سے معنی میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ معنی یوں ہونگے کہ اے ابلیس! تجھے کس چیز نے منع کیا جو تو (آدم کو) سجدہ نہیں کرتا"

فضل عظیم کی تفسیر واللہ ذو الفضل العظیم۔ اور اللہ سبحانہ بڑے فضل والا ہے"

اللہ سبحانہ کے اسمائے حسنیٰ میں عظیم بھی ہے۔ جب حق سبحانہ تعالیٰ کی ذات عظمت والی ہے تو اوس کا فضل و انعام بھی اوسکی عظمت ذاتی کے اعتبار سے با عظمت ہوگا۔

سورۂ حدید کی تفسیر ختم ہوئی جسکے ساتھ ستائیسواں پارہ بھی ختم ہو رہا ہے۔

والحمد للہ والمنۃ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین والحمد للہ رب العٰلمین۔

چہارشنبہ ۲۹ شعبان المعظم ۱۳۷۵ھ یوم ولادت پاک حضور غوث اعظم رض